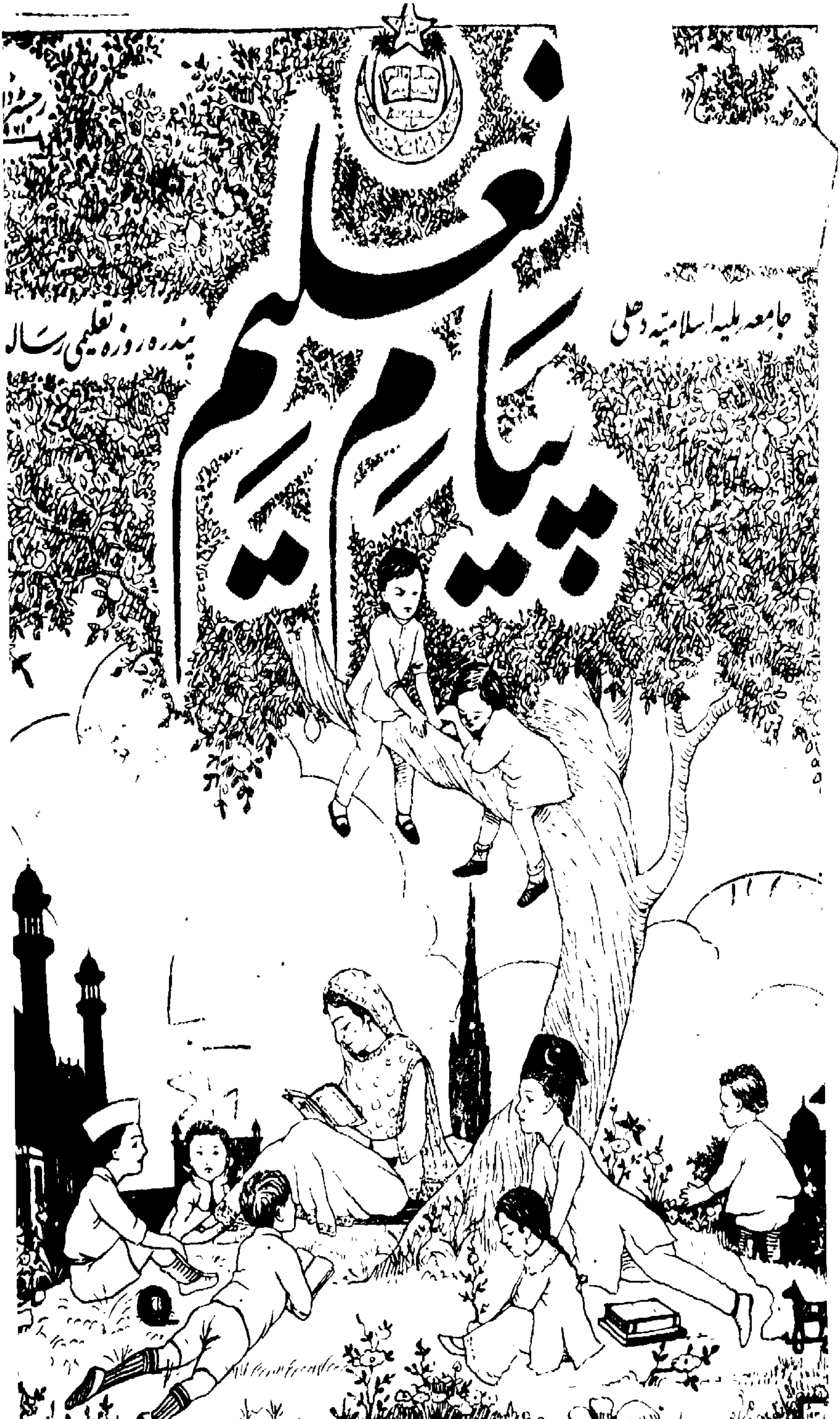


پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ



زنگی قلم

سالہا سال سے ہزاروں زنگی قلم ہندوستان کے ہر حصہ میں ہر قسم کی آب و ہوا میں اور ہر قسم کی نوشت و خواند میں استعمال ہو رہا ہے۔ تقریباً چالیس ہزار زنگی قلم کے استعمال کرنیوالے زنگی قلم کے پائیدار اور کارآمد ہونے کا ثبوت دے رہے ہیں۔ زنگی قلم کا ہر ایک پرزہ قلم میں لگائے جانے سے پہلے نہایت غور سے پاس کیا جاتا ہے، اور ہر ایک زنگی قلم مکمل ہونے پر تقریباً تیس الفاظ لکھنے کے بعد پاس ہوتا ہے، اور اس کے بعد بھی ہر ایک زنگی قلم کے خریدار کے پاس روانگی سے پہلے دوبارہ آزمایا جاتا ہے کہ وہ خریدار کے خاص کام روش اور ہاتھ کے دباؤ کے لئے مناسب ہے یا نہیں۔ اور ہر ایک خریدار کو حق دیا جاتا ہے کہ تاریخ رسید سے پورے ایک ہفتہ تک بالکل اطمینان سے جس طرح چاہے استعمال کرے اگر ذرا بھی حسب منشا کام نہ کرے تو فوراً کارخانہ کو واپس کر دے۔ نتیجہ یہ ہے کہ زنگی قلم کا دشمن کوئی بھی نہیں ہے اور علاوہ اشتہار کے خود استعمال کرنیوالوں کی سفارش پر ہی زنگی قلم کی شہرت اور فروخت کا زیادہ انحصار ہے۔ آپ فوراً ہی بالکل اطمینان خاطر سے آج ہی ایک زنگی قلم ایک ہفتہ کی آزمائش پر بذریعہ رجسٹرڈ وی پی منگائیں۔ کیونکہ راستہ کی ٹوٹ پھوٹ اور ایک ہفتہ تک استعمال کی تمام ذمہ داری کارخانہ پر ہے، اس لئے آپ کا کوئی نقصان ہو ہی نہیں سکتا۔ قیمت چھ روپے چار آنے۔

بہتر ہے کہ زنگی قلم کے ساتھ ہی ایک گروس زنگی سیاہی کے قرص قیمت بارہ آنے اور ایک زنگی لیور کلپ قیمت ۸ منگا لیں تاکہ آپ کم از کم ایک سال کے لئے بالکل بےفکر ہو جائیں۔

زنگی قلم کمپنی نمبر ۲۶ ایجرٹن روڈ دہلی



بقائے صحت کی نوایجاد مشین

زمانہ حال کی خصوصیات میں سے ایک امر یہ بھی ہے کہ نہ صرف موت کا مقابلہ بہتر اور زیادہ کامیابی سے ہو رہا ہے بلکہ شباب کے قیام اور عود کی طرف بھی زیادہ توجہ کی جا رہی ہے۔ پچیس برس پہلے جو لوگ پہاڑوں پر جانے کے فائدہ سے بالکل ناآشنا تھے۔ آج وہ ہر سال پہاڑوں پر جا کر شباب اور حیات دونوں کی مدت میں اضافہ کرنا اپنا فرض عین سمجھتے ہیں، سرسبز پہاڑوں پر سورج کی روشنی سے بنفشئی شعاعیں پیدا ہوتی ہیں۔ وہی اس شباب اور حیات کی توسیع کا باعث قرار دی گئی ہیں۔ پہاڑوں کے پھل اور میوے ہمیشہ سے صحت اور قوت بخش سمجھے جاتے تھے۔ آج یہ راز افشا ہو گیا ہے کہ وہ بھی شعاع بنفشئی کو مہینوں تک بچگی کے وقت تک جذب کر کے اس قدر مفید ہو جاتے ہیں:۔

آج بنفشئی شعاع کے مفید ثابت ہو جانے کے بعد سائنس والوں نے ہر گھر میں اس کو لیجانے کی کوشش کی ہے۔ ایک بجلی کے آلہ سے اس کو مصنوعی طور پر پیدا کیا جاتا ہے اور نہ صرف قوت، حسن، شباب اور توسیع حیات کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، بلکہ فالج گنٹھیا۔ ورم۔ درد۔ پھوڑے وغیرہ علاج میں بھی بے مثل نتیجہ پیدا کیا جاتا ہے۔ ہر ایک گھر میں ایک مشین کا رہنا نہایت ضروری ہے، جہاں بجلی نہیں ہے وہاں بنفشئی شعاع سے مس کی ہوئی اشیاء لگانے اور کھانے سے بھی بہت کچھ فائدہ ہو سکتا ہے۔ جن طلباء کی نشو و نما میں کمی ہو حافظہ خراب ہو یا معدہ اور ہاضمہ میں کمی محسوس ہوتی ہو تو ملاقات یا خط و کتابت کریں:۔

زنگی قلم کمپنی (وائلٹ رے انسٹی ٹیوٹ) ایجرٹن روڈ دہلی

قیمت سالانہ
ڈھائی روپے
(عہ/)

پیامِ تعلیم

قیمت فی پرچہ
دو آنے
(۲/)

جلد ۱۱	۱۵ر نومبر ۱۹۳۱ء	نمبر ۲

فہرست مضامین

ڈاکٹر عبد الکریم گرمانس جنھوں نے جامعہ کے "یوم تاسیس" کے موقع پر اپنے مشرف بہ اسلام ہونے کا سب سے پہلی بار اعلان فرمایا تھا اور جو آجکل جامعہ ہی میں مقیم ہیں انکے پورے حالات زندگی مع تصویر ہم انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں شائع کریں گے۔ ناظرین انتظار کی زحمت گوارا فرمائیں۔

بچّے کی دعا

یہ دعا مدرسہ تحتانیہ کے ایک چھوٹے سے بچے نے میلاد النبی کی تقریب کے موقع پر مانگی تھی۔ (مدیر)

"اللہ میاں۔ میں نے کبھی آپ کو دیکھا نہیں، پر اماں کہتی ہیں کہ آپ چیونٹی تک کی سُنتے ہیں۔ پھر میری کیوں نہ سنیں گے۔

"اللہ میاں! مجھے خبر ہے کہ آپ کے پاس اچھے اچھے مُونہی صورت کے فرشتوں کی فوجیں کی فوجیں ہیں۔ دو چار فرشتوں سے کہہ دیجئے کہ میرے ساتھ رہا کریں، مجھے صبح صبح اٹھا دیا کریں کہ میں مدرسہ پہنچ جایا کروں۔ سڑکوں پر موٹر والے دیوانوں کی طرح زن زن موٹریں اڑائے پھرتے ہیں، اُن سے مجھے بچا لیا کریں۔ گھر میں ابا، اماں اور مدرسے میں ماسٹر صاحب کو مجھ سے خوش رکھا کریں۔ محنت، اللہ میاں، میں خود کروں گا؛ اس میں بڑا مزا آتا ہے، اور میں نے سُنا ہے آپ بھی محنت کرنے والے سے پیار کرتے ہیں۔

"اللہ میاں! میں کبھی بیمار نہ پڑوں۔ بیمار پڑوں گا تو پھر کام کیسے کروں گا۔ ہاں، اللہ میاں، ایک فرشتے سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ مجھے کبھی جھوٹ نہ بولنے دے۔ میں کبھی بڑوں کے ڈر سے جھوٹ بول دیتا ہوں۔ سب کے ڈر کی جگہ بس اپنا ڈر دل میں ڈال دیجئے۔ آپ سے جھوٹ بول کر کچھ چھپا نہیں سکتا۔

"اللہ میاں! میں ابھی ننھا سا ہوں، سب باتیں نہیں جانتا، ان فرشتوں سے جتا کر کہہ دیجئے کہ ہر کام میں، ہر بات میں مجھے اُس طرف چلا دیا کریں، جس میں آپ خوش ہوں اور آپ کا وہ پیارا، آمنہ کا دُلارا، جسے آپ نے بے ماں باپ کا کر دیا تھا اور پھر سارے جہانوں کے لئے رحمت بنا دیا، آپ خوش ہیں اور آپ کا وہ پیارا تو بس ساری دنیا خوش رہیگی۔

"اللہ میاں! آپ سب کی سنتے ہیں، میری یہ دعا بھی سُن لیجئے، اور مان لیجئے۔ مگر ضرور۔"

خاص رعایت

جو رسالہ "جامعہ" و "پیامِ تعلیم"، دونوں کے سالانہ خریدار ہوں، ان کو پیامِ تعلیم صرف ڈیڑھ روپے میں دیا جائے گا۔ یعنی ہر دو رسائل کا سالانہ چندہ ساڑھے چھ روپئے ہوگا۔ (منیجر)

کشمیر بہشت نظیر

کی

ایک سرسری سیر

سری نگر

سری نگر ریاست کشمیر کا پایۂ تخت ہے اور خود بھی ایک خوبصورت شہر ہے۔ اس کی خوبصورتی کا دار و مدار زیادہ تر ڈل جھیل اور دریائے جہلم پر ہے جو بیچ شہر سے گزرتا ہے۔ ڈل جھیل ان چند جھیلوں میں سے ہے جنھوں نے کشمیر کی شہرت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔ بہار کے موسم میں تمام جھیل کنول کے پھولوں اور پتوں سے ڈھکی رہتی ہے، پانی کہیں ذرا بھی نہیں دکھائی دیتا۔ کشتیاں چلتی ہیں تو ان پتوں اور پھولوں کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، اور کنارے پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کنول کے پھولوں پر چل رہی ہیں۔ ویسے بھی جب بہار کا موسم نہ ہو، صاف شفاف جھیل کا نیلگوں پانی نظروں کو نہایت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ شام کے وقت چھوٹے چھوٹے خوشنما شکاروں(۱) پر چلنا کشمیر کی سب سے فرحت بخش تفریحوں میں ایک تفریح ہے۔

سری نگر کے اندر بجز ان کشتیوں کی دلچسپ زندگی کے اور کوئی خاص دلچسپی کی چیز نہیں ہے۔ گرمیوں میں دور دور سے لوگ آتے ہیں اور ایک ہاؤس بوٹ(۲) یا ڈونگا(۳) کرایہ پر لے لیتے ہیں اور اسی میں رہتے ہیں۔ یہ کشتیاں کیا ہوتی ہیں مکانات ہوتے ہیں جو بجائے ایک مستقل جگہ ہونے کے ضرورت کے وقت ادھر اُدھر منتقل بھی ہو سکتی ہیں۔ ایک بڑا ہاؤس بوٹ، ڈیڑھ، دو سو روپے ماہوار کرایہ پر مل جاتا ہے، جس کے ساتھ کھانا پکانے کے لئے ایک کچن بوٹ(۴) ہوتا ہے اور ایک شام کی سیر و تفریح کے لئے شکارا۔ اصل کشتی رہنے سہنے کے لئے ہوتی ہے اور کشتی کا ہے کو ہوتی ہے، ایک اچھا خاصا بنگلہ ہوتا ہے جس میں ایک ڈرائنگ روم، یعنی ملنے جلنے کا کمرہ ہوتا ہے، ایک سونے کا کمرہ ایک لکھنے پڑھنے کا کمرہ، ایک کھانے کا کمرہ اور ایک غسل و پاخانے کا کمرہ ہوتا ہے۔ یہ کمرے نہایت آراستہ و پیراستہ اور تمام ضروری سامان سے مکمل ہوتے ہیں اور ساری کشتی بھی باہر سے دیکھنے میں نہایت خوشنما لمبا سا ایک مکان معلوم ہوتی ہے جس کی بالائی چھت پر بھی اُٹھنے بیٹھنے کا انتظام ہوتا ہے۔

جب کہیں ایک جگہ سے دوسری جگہ جانا ہوتا ہے تو یہ ساری کشتی مع کچن بوٹ اور شکارے کے چلتی ہے۔ اس کو چلانے کے لئے کم سے کم چار ملاحوں کی ضرورت ہوتی ہے جنھیں یہاں ہانجی کہتے ہیں۔ گرمی کے

---

(۱) شکارا، اس چھوٹی کشتی کو کہتے ہیں جسے تفریح کی غرض سے نہایت تیزی سے چلاتے ہیں اور جس پر دو یا تین آدمی آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔

(۲) ہاؤس بوٹ اس بڑی کشتی کو کہتے ہیں جس میں ایک بنگلے کی طرح مختلف ضروریات کے لئے علٰحدہ علٰحدہ کمرے ہوتے ہیں۔

(۳) ڈونگا اس سے چھوٹی کشتی کو کہتے ہیں جس میں بھی کئی کمرے ہوتے ہیں اور وہ اس سے بہت کم درجے کی ہوتی ہے۔

(۴) کچن بوٹ ڈونگا ہی کے برابر ہوتی ہے لیکن اس سے بھی کم درجے کی۔ اس میں کھانا پکاتے ہیں اور کشتی کے ملاح اور ملازمین رہتے ہیں۔

دنوں میں دریائے جہلم اور ڈل جھیل دونوں میں ہزاروں کشتیاں پڑی رہتی ہیں۔ لوگ مکان کی بہ نسبت ان میں رہنا زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ شہری آبادی کی کثافت سے دور، باہر کی کھلی ہوا اور پانی کا لطف ملتا ہے، دوسرے یہ کہ جب جی چاہا ایک جگہ سے منتقل ہو کر دوسری جگہ چلے گئے اور اس طرح نئے مکان کی تلاش و جستجو سے محفوظ رہے۔

سری نگر شہر کے دو حصے ہیں اور یہ دونوں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، شہر کا ایک حصہ تو بالکل جدید ہے جو آج کل کے مہاراجہ کا پایۂ تخت ہے، اس حصے میں زیادہ تر اہلِ دولت اور امرا آباد ہیں، جن کے لئے نہایت خوشنما سڑکیں اور سرسبز پارک ہیں۔ ضروریات کی تمام چیزوں کے لئے صاف ستھرے بازار اور عالی شان دوکانیں ہیں۔ دوسرا حصہ قدیم ہے، جس میں پرانی آبادی رہتی ہے۔ یہ دریائے جہلم کے کنارے دور تک لمبائی میں چلا گیا ہے۔ پہلے راجہ کے محلات بھی اسی طرف تھے۔ جب سے یہ نیا حصہ آباد ہوا ہے، مہاراجہ نے اپنا محل بھی اسی طرف بنوانا شروع کر دیا ہے اور وہ حصہ بالکل چھوڑ دیا ہے۔ جس سے پرانی آبادی اور بھی کس مپرسی کی حالت میں پڑ گئی ہے۔ یہ حصہ کچھ اس طرح آباد ہے کہ بیچ میں دریائے جہلم بہتا ہے اور اس کے دونوں کناروں پر آبادیاں ہیں۔ آبادی کے ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے تھوڑی تھوڑی دور پر پل بنے ہیں جو تعداد میں کوئی سات کے قریب ہیں، یہ پل قدیم بادشاہوں کے نام پر ہیں اور آج تک ان کے نام سے پکارے جاتے ہیں، مثلاً ایک پل کا نام ہے "امیرا کدل"[۱] ایک کا زینہ کدل، اور اسی طرح دوسرے پلوں کے نام ہیں۔ لیکن یہ باہر کے آئے ہوئے لوگ ان ناموں کو چھوڑتے جاتے ہیں اور "فرسٹ برج"[۲]، سیکنڈ برج کے نام سے پکارتے ہیں۔

سری نگر میں ایک چیز اور بھی قابلِ ذکر ہے اور وہ "تختِ سلیمان"

کے نام سے موسوم ہے۔ شہر سے متصل ایک بہت بلند پہاڑی کی چوٹی پر ایک مندر ہے جو بہت قدیم زمانے سے چلا آتا ہے۔ اکثر لوگ صبح یا شام کو اس پہاڑی پر جاتے ہیں جو ایک اچھی خاصی ورزش ہو جاتی ہے۔ اس پہاڑی سے سری نگر شہر کا تمام منظر نظر کے سامنے ہوتا ہے جو دیکھنے میں بہت بھلا معلوم ہوتا ہے۔ دریائے جہلم کا سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے شہر میں سے گزرنا، تھوڑی دور پر ڈل جھیل اور اس سے نکلی ہوئی نہروں کے پانی کا جھلکنا، پھر ان کے درمیان سرسبز گھاس کے میدانوں اور باغات کا آجانا یہ ایک ایسا دلچسپ اور پربہار نظارہ ہوتا ہے کہ گھنٹوں دیکھنے سے بھی جی سیر نہیں ہوتا۔

[۱] کدل، کشمیری زبان میں پل کو کہتے ہیں۔ [۲] برج انگریزی میں پل کو کہتے ہیں

مژدہ

یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہمدردانِ جامعہ رسالہ جامعہ و پیامِ تعلیم کے خریدار بنانے میں پوری کوشش سے کام لیں گے۔ حسبِ ذیل انعامات مقرر کئے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ہر ایک شخص ان انعامات کے حاصل کرنے کی کوشش کریگا۔

(۱) "جامعہ" کے دو خریدار یا پیامِ تعلیم کے چار خریدار بنانے والے کے لئے — پردۂ غفلت یا مطبوعاتِ جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب

(۲) "جامعہ" کے چار خریدار یا پیامِ تعلیم کے آٹھ خریدار بنانے والے کے لئے — دیوانِ شیدا " " "

(۳) جامعہ کے پانچ خریدار یا پیامِ تعلیم کے دس خریدار بنانے والے کے لئے — دیوانِ غالب " " "

اس سے زیادہ قیمت کے لحاظ سے ۲۵ فیصدی قیمت کی کتابیں مطبوعاتِ جامعہ سے دی جائیں گی۔ خاص صورتوں میں نقد کمیشن بھی دیا جا سکتا ہے۔

مزید تفصیلات کے لئے منیجر پیامِ تعلیم سے خط و کتابت کیجئے

ڈاکٹر سن یت سین

جمہوریت چین کا بانی

گزشتہ نمبر میں یہ بتایا گیا تھا کہ وہ کہاں پیدا ہوا، اس کی ابتدائی تعلیم و تربیت کیسی ہوئی اور اس کے زمانے میں اس کے ملک کا کیا حال تھا۔ اس نمبر میں یہ معلوم ہوگا کہ کس طرح ہمت و جوانمردی سے اس نے اپنا کام شروع کیا اور اسے اس کام میں کیسا باوفا اور راز دار ساتھی ملا۔ (مدیر)



بار بار یہ خیالات سن یت سین کے ذہن میں آتے تھے اور وہ ان سوالات کے متعلق اپنے دل سے پوچھتا تھا جس قدر زخم چین غیروں کے ہاتھ سے کھاتا تھا، اسی قدر جوش سن یت سین کے دل میں پیدا ہوتا۔ چین کی کمزوری اور شکست کو وہ اپنی ذاتی ذلت اور رسوائی سمجھتا تھا۔ وہ اسی فکر میں رہتا کہ مادر وطن کو مضبوط اور خود مختار بنانے کے لئے کیا تدبیریں اختیار کرنی چاہئیں۔ دفعتہً اس کے دل میں خدائے عالم الغیب نے ایک بات ڈال دی، وہ کیا؟ انقلاب! اب سوال یہ ہے کہ انقلاب کیونکر چین کی کمزوری کو دور کرسکتا تھا؟ اس وقت چین کے تخت پر حکمراں خاندان مانچو کا ایک کمسن بچہ حکومت کرتا تھا۔ اس کو اتنی قوت نہ تھی کہ وہ اچھی طرح حکومت کرسکے۔ علاوہ اس کے حکومت کا تمام نظام نہایت ابتری کی حالت میں تھا اور اس کی بنیاد ایسی کھوکھلی ہوگئی تھی کہ ہر وقت یہ خطرہ لگا رہتا تھا کہ حکومت کی عمارت اب گری ہے! انگریزوں نے مانچو کے ہاتھ سے ہانگ کانگ چھین لیا، جاپان نے اس کو شکست دے کر چین کو ذلیل کیا اور بہت سی اجنبی طاقتوں نے چین کے مختلف مقامات میں اپنی اپنی نوآبادیاں قائم کرکے چین کے حقوق غصب کرنے۔ یہ سب صرف اسی وجہ سے ہوا کہ حاکم وقت نہایت کمزور تھا اور ملک میں اصلاح کی سخت ضرورت تھی ان حالات نے سن یت سین کو مجبور کیا کہ وہ کوئی ایسی تدبیر سوچے جس سے اس مریض چین کا علاج ہوسکے۔ اس کے ذہن میں پہلے تو کوئی بات نہ آئی اور وہ تقریباً مایوس ہوچکا تھا۔ مایوسی ہی کی حالت میں مادر وطن کو یاد کرکے ایک معصوم بچے کی طرح یوں پکار پکار کر کہنے لگا: ”اے مادر وطن! تو بتا اپنے مجھ نالائق فرزند کو کہ کس طرح تیری خدمت کروں؟ بتا مجھے کوئی ایسی ترکیب جس سے میں تیرے دشمنوں سے انتقام لے سکوں! بتا کوئی ایسا طریقہ جس پر چلنے سے چین کی عزت اور وقار قائم رہ سکے! اور بتا کوئی ایسا عمل جس سے میں اپنے سوتے ہوئے بھائیوں کو جگا سکوں اور اُن کی مدد سے میں تجھے خطرے سے بچا سکوں!“

اس پر مادر وطن نے یہ جواب دیا ”اے نالائق سن یت سین! تو کیوں روتا ہے؟ مایوس مت ہو! جا اور یہاں سے چلا جا! اور حاکم وقت سے دست برداری کرادے، حکومت کا نظام بدل، جدید اصول سے

حکومت کی ایک نئی عمارت تیار کر، جو زبردست اور مضبوط ہو، اس کی صورت کیا ہو؟… انقلاب! یعنی خاندان مانچو کی شخصی حکومت کا خاتمہ کر دے، اور حکومت کی لگام لوگوں کے ہاتھ میں دلوا دے۔ اور بجائے ایک بادشاہ کے ملک پر حکومت کرنے کے، سب لوگ مل کر حکومت کا انتظام کریں کیونکہ تمام لوگوں کی متفقہ قوت بہ نسبت ایک شخص کی قوت کے کہیں زیادہ زبردست ہوتی ہے لوگوں کی مجموعی قوت ہی سے حکومت کی بنیاد مضبوط ہو سکتی ہے۔ جا، اور جا کر جمہوری حکومت قائم کر۔ اور ایسی مضبوط کر کہ دوسری طاقتیں جو پہلے چین کو ستاتی تھیں، اُن کی گردنوں کو جھکا دے، اور ایسا جھکا دے کہ وہ چین کے پاؤں پر گر کر معافی مانگنے لگیں۔ اس طریقے سے تو چین میں ایک جمہوری خود مختار اور زبردست حکومت قائم کر کے، اپنے بڑے دشمن سے انتقام لے سکتا ہے اور اس طریقے سے تو مجھے آرام اور چین کی زندگی دے سکتا ہے، جا اور بس اس پر عمل کر!"

مادر وطن کا یہ جواب سنتے ہی سن یت سین اپنے دل سے کہنے لگا، "ہاں! ٹھیک ہی جبتک اندرونی کمزوریاں موجود ہیں، تب تک ہمارے لئے اپنے طاقتور دشمنوں سے مقابلہ کرنا ناممکن ہے، مانچو حکومت واقعۃً اب باقی رکھے جانے کے قابل نہیں ہے۔ ضرور پہلے اس کو ختم کرنا چاہئے بس یہی میرا پہلا کام ہے جو مادر وطن نے مجھے بتایا ہے۔ کیونکہ بغیر مانچو خاندان کی شخصی حکومت ختم کئے ہوئے نئی جمہوری حکومت قائم کرنا ناممکن ہے۔ بس اب کیا ہے؟ انقلاب!

سن یت سین نے اس مقصد کو سامنے رکھ کر انقلابی کام کرنا شروع کیا۔ وہ اپنے جی میں کہنے لگا: "آہ! میں کیسا بیوقوف ہوں! انقلاب اور حکومت کا ایک نیا نظام، جیسا بھاری اور مشکل کام میں اکیلا کیسے انجام دے سکوں گا، چھوٹا منہ بڑی بات ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ بغیر کسی اور کی مدد کے میں حکومت کی ایک نئی عمارت کی تعمیر کر سکوں۔ یہ محض ایک خواب و خیال ہے" پھر اس طرح سن یت سین اپنے آپ کو ملامت کرنے لگا اور اپنے جی سے یہ کہنے لگا "اے بیوقوف لڑکے! اگر تو نے اتنا بھاری کام اکیلے اپنے ہاتھ میں لے لیا تو یہ سمجھ لے کہ قبل اس کے کہ تو اپنے کام میں کامیاب ہو تیری گردن ماری جائے گی، تو سمجھتا ہے کہ یہ کوئی آسان کام ہے۔ تیری نیت بیشک نیک ہے اور خیال بہت روشن مگر تو کسی بیوقوفی سے کام کر رہا ہے۔ اس وقت تیرے لئے ضروری ہے کہ کسی رازدار ساتھی کی تلاش کر اور اپنے ہم خیال لوگوں سے مل اور ان کے ساتھ صبر و استقلال سے کام کر تب شاید تو اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے، کیونکہ اتحاد عمل ایک ایسی چیز ہے جسے کوئی دشمن مٹا نہیں سکتا، مگر اس وقت انقلابی کام تجھے نہایت پوشیدہ اور رازداری سے کرنا پڑے گا اور ایسی احتیاط کہ سوائے چند خاص اور ہم خیال لوگوں کے اور کسی کو خبر نہ ہو، ورنہ تمام شہر اور ملک بھر میں سازش کی افواہ پھیل جائے گی اور اچانک خفیہ پولیس آکر تجھے گرفتار کرے گی جس سے قبل اس کے کہ تیرا خواب واقعہ بنے تو خود فنا ہو جائے گا۔ اور اگر ایسا ہوا تو یہ محض تیری بیوقوفی کا نتیجہ ہوگا!"

ایک طرف سن یت سین یہ خیال کر رہا تھا اور دوسری طرف یہ سوچنے لگا کہ "میں کہاں سے ایسے ہمراز اور ہم خیال لوگوں کو لاؤں جو میرے ساتھ کام کر سکیں! اچھا! خیر، کل میں اپنے اس دل کی بات کا اپنے مخلص دوست لُو ہاؤ تین سے ذکر کروں گا۔ دیکھوں وہ کیا کہتا ہے؟"

دوسری صبح کو آٹھ بجے مسٹر لُو ہاؤ تین اس کے گھر آیا۔ کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد سن یت سین لُو ہاؤ تین کو اس طریقے سے چھیڑنے لگا "دوست! کیا آپ نے دیکھا کہ ملک میں کیا ہو رہا ہے؟ آپ نے سنا کہ جاپان نے ہمارے ملک کو شکست دے دی؟ غضب ہوگیا! اتنا چھوٹا سا ملک جس کی آبادی آٹھ کروڑ بھی نہیں ہے، اور جس کی زمین ایک ہتھیلی کے برابر ہے، ہمارے ملک جیسے بڑے اور کثیر الآبادی کو شکست دے دے! نہایت ذلت اور رسوائی کی بات ہے! ہمارے ملک کی آبادی تو چالیس کروڑ ہے۔ پانچ آدمی ایک جاپانی کا مقابلہ نہیں

کرتے ہیں ہ کیا یہ شرم کی بات نہیں ہے ؟"

ہوہائین کہنے لگا " بھائی میں آپ کو کیا بتاؤں ، حاکم وقت کی کمزوری دیکھ کر میرا جگر پاش پاش ہوگیا ہے ، میں رات رات بھر روتا ہوں اور خون کے آنسو بہاتا ہوں اور اس فکر میں ہوں کہ ان کمزوریوں کا کیا علاج کیا جائے ؟ ہائے ! افسوس ! اس وقت مجھے چانفوی[1] جیسا بہادر کہاں سے ملے گا ! پانچاؤ جیسا سپہ سالار کہاں سے لاؤں ! اور چوکولانگ جیسا مدبر کہاں تلاش کروں ! ہمارے وطن کو انھیں بزرگوں کی ہمت و جوانمردی سے ترقی ہوئی اور انھیں کی بدولت دنیا میں چمکا ۔ اب یہ لوگ نہیں مل سکتے ہیں ۔ باقی رہا بادشاہ ! یہ تو اس وقت بچہ ہے ، ماں کا دودھ پیتا ہے ۔ چلنے کے لئے قدم نہیں اٹھا سکتا ، وہ ملک کی کیا مدافعت کرسکتا ہے ۔ سن یت سین ! تمہارے نزدیک بھلا ان کمزوریوں کا کوئی علاج ہے ؟ کاش ! اگر کوئی نیا چوکولانگ ہوتا تو تم اس کے چانفوی بننے کے لئے بالکل تیار ہوتے !

" سن یت سین ۔ اچھا سنو ، میرے پاس ایک بہت اچھا علاج ہے ، مگر شاید تمھاری رائے کے موافق نہ ہو ، اس لئے کہ تم سے بیان کرنا نہیں چاہتا ۔"

" بتاؤ ! بتاؤ ! " ہوہائین نے چلا کر کہا " مجھ کو بتاؤ ، جلد بتاؤ ! اگر اچھا علاج ہے تو میں ضرور تمھارا ساتھ دوں گا ۔"

سن یت سین نے " کیا تم میرا ساتھ دوگے ؟ یہ تم سے ہرگز نہ ہو سکے گا ۔ اس وقت تو تم کو کھیلنے کودنے سے فرصت نہیں ، میرا ساتھ کیا خاک دوگے ! ہوہائین نے " دیکھو ! سن یت سین ، مجھ کو شرم نہ دلاؤ ، میں اسی لئے کھیلتا کودتا ہوں کہ اپنے جسم کی تربیت کروں ، پہلوان اور بہادر بنوں تاکہ جب موقع آئے دشمن پر ٹوٹ پڑوں ، اور اپنے ہاتھ سے اس کی گردن اڑا دوں ۔ تم مجھ کو پست ہمت اور بیکار سمجھتے ہو ؟ اگر ایسا ہے تو تمھارا خیال غلط ہے ۔ تمہیں اپنی تدبیر اگر مجھے بتانی ہو تو بتاؤ ، اس کے بعد تم دیکھو گے کہ میں تمھارے ساتھ کیسا کام کرتا ہوں ، اگر میں نے اپنے آپ کو تمھارا لائق ساتھی ثابت نہ کیا ، اور اپنے کاموں اور ذمہ داریوں میں کوتاہی کی تو تم اس وقت مجھ پر ملامت کرنا ، اس وقت مجھ کو شرم دلانا !"

سن یت سین نے " بس اچھا خفا نہ ہو ، اب میں تم کو بتاتا ہوں ۔ ۔ ۔ مگر ہوہائین ! دیکھو پہلے تم یہ عہد کر لو کہ میں جو کچھ تم سے بیان کروں گا ، خواہ تم پسند کرو یا نہ کرو ، تم اس کی پوری رازداری کروگے ، تم یہ باتیں صرف اپنے دل میں رکھو گے اور ہرگز ہرگز کسی سے بیان نہ کروگے ، کیا تم اس بات کا عہد کرتے ہو ؟"

اس پر ہوہائین زور سے بولا " عہد تو کیا میں اپنے باپ دادا کے نام پر قسم کھاتا ہوں ! "

غرض کہ جب سن یت سین کو یہ اطمینان ہوگیا کہ ہوہائین پورے طور سے اس کی رازداری کرے گا تو اس نے ہوہائین کے کان میں کہا کہ " میرے خیال میں اس وقت ملک کا علاج صرف یہ ہے کہ ، ۔ ۔ ۔ " اتنا کہہ کر سن یت سین نے اپنی زبان روک لی ۔

ہوہائین نے سن یت سین کے تامل پر تعجب کیا اور خواہشمندانہ لہجے میں پوچھا " کیا ؟ "

سن یت سین نے تھوڑی دیر کے بعد پھر اپنی گفتگو جاری کی اور کہا کہ " انقلاب ! . . . . یہ لفظ اپنی زبان سے نکالتے ہی سن یت سین کا دل زور سے اچھلنے لگا ۔ ہاتھ پاؤں کانپنے لگے اور یہ سمجھنے لگا کہ کمرے کی دیواروں پر جو تصویریں لگی ہوئی ہیں وہ سب خفیہ پولیس ہیں اور ان کی یہ سازش کی باتیں سن رہی ہیں ! اس الفاظ کے بعد اس نے اور کچھ زبان سے نہ کہا ، بلکہ مورت کی طرح کھڑے ہوئے ہوہائین کے منہ کو دیکھنے لگا ، وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ہوہائین اس بارے میں کیا کہتا ہے ۔ (دیکھو صفحہ ۹)

[1] چانفوی ، پانچاؤ اور چوکولانگ چین کی ان نامور ہستیوں میں سے ہیں جنھوں نے اپنے زمانے میں چین کی ترقی کے لئے نمایاں کارنامے انجام دیئے ۔

فاطمہ اور رحیم الدین



ماں کا خیال تھا کہ فاطمہ محض شرارت میں سارا کام بگاڑ رہی ہے:

لیکن باپ کو اس کی اور رحیم الدین کی صورت ہی دیکھ کر کچھ شبہ ہو گیا تھا کہ اصل ماجرا کچھ اور ہی ہے، اس نے فاطمہ کو بلا کر اپنی گود میں بہت دیر تک بٹھایا اور ادھر ادھر کی باتیں کرتا رہا، بیچ بیچ میں وہ رحیم الدین کی نسبت بھی کچھ پوچھ لیتا۔ اور فاطمہ جس لہجے میں جواب دے رہی تھی اس سے اس کو یقین ہو گیا کہ دونوں میں لڑائی ہو گئی ہے۔ لیکن وہ نہیں چاہتا تھا کہ بھائی بہن اس کے سامنے ایک دوسرے کی شکایت کریں۔ اس لئے اس نے رحیم کو بھی اپنے پاس بلا کر بٹھایا اور کہا:۔

"بھائی سنو، ہمارا خیال ہے کہ خدا نے آدمیوں کو ساتھ رہنے کے لئے بنایا ہے، اور ان کی طبیعت میں ایک ایسی کل رکھی ہے کہ اگر وہ ایک دوسرے سے خفا ہوں تو ان کا اپنا دل کبھی خوش نہیں رہ سکتا، کیوں بیٹے تمھاری کیا رائے ہے؟"

رحیم الدین سے کچھ جواب دیتے نہ بن پڑا، وہ بہن سے خفا بہت تھا، مگر سچی بات تو یہ تھی کہ جب سے بہن سے لڑائی ہوئی اس نے ایک گھڑی بھی خوشی سے نہیں گزاری تھی، اور اس کا جی ہر وقت گھٹا رہتا تھا آخر میں اس نے ہچکچا ہچکچا کر جواب دیا:

"جی ہاں"

"خیر" باپ نے کہا "بڑی خوشی کی بات ہے کہ تم نے مان لیا۔ اب ہم ایک بات اور کہتے ہیں، فاطمہ تم بھی غور سے سنو، اگر ہر شخص وہی کرتا رہے جو اس کا جی چاہے، اور اس کی بالکل پروا نہ کرے کہ دوسرے کیا چاہتے ہیں، اور ان کو کس چیز کی ضرورت ہے تو سب اس سے خفا ہو جائیں گے، اور سب آدمی کسی سے خفا ہوں تو وہ اکیلا کیسے خوش رہ سکتا ہے، اس لئے اگر تم خود خوش رہنا چاہتے ہو تو اس کی ایک ہی ترکیب ہے، اور وہ یہ کہ تم دوسروں کو بھی خوش رکھو اگر تم سے کوئی تمھاری کوئی چیز مانگے اور تم نہ دو تو وہ بھی تم کو اپنی چیز نہ دے گا، اور اگر تم کسی کے طمانچہ مارو گے تو وہ بھی تم سے موقعہ پا کر بدلا لے گا۔"

طمانچے کا لفظ سن کر فاطمہ سسکیاں لینے لگی اور کہا:

"ابا جان! میں تو ان کی کتاب کو بس دیکھنا ہی چاہتی تھی، کچھ میں کھا تھوڑی ہی لیتی، اور انھوں نے آپ ہی آپ میرے طمانچہ مار دیا۔"

رحیم الدین کے خیال میں یہ بیان بالکل غلط تھا اس کے بھی آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور وہ جھنجھلا کر بولا:

"جی ہاں، آپ کو کتاب دیکھنی تھی تو آپ نے چھینی کیوں؟ کیا آپ کے منہ میں زبان نہیں تھی کہ سیدھی طرح مانگ لیتیں؟"

"میں مانگتی کیسے" فاطمہ نے باپ کی گود میں بیٹھے بیٹھے بگڑ کر کہا، "آپ تو اسے اس طرح چھپا کر رکھتے تھے کہ میں جانتی تھی آپ مجھے دکھانا ہی نہیں چاہتے ہیں۔"

"مجھے معلوم تھا کہ آپ نے کتاب کو دیکھ لیا تو اس کی خیر نہیں" رحیم الدین نے جواب دیا۔ "اب آپ نے اس کو آخر پھاڑ کر خراب ہی تو کر ڈالا، اگر میں خود دیتا تو یہی انجام ہوتا......"

"میں نے اچھا کیا اسے پھاڑ ڈالا" فاطمہ جھٹ سے بولی "اچھا کیا بہت اچھا کیا"

باپ نے فاطمہ کے منہ کو ہاتھ سے بند کر لیا، اور کہا:

"خیر تم اپنی یہ لڑائی پھر کبھی لڑ لینا، لیکن اب میری بات سن لو۔ مجھے سچ سچ نہیں معلوم تھا کہ تم دونوں میں لڑائی کس بات پر ہوئی، لیکن تمھاری باتوں سے کچھ پتہ چل گیا ہے۔ رحیم الدین، یہ وہی کتاب ہے نا، جو تمھیں انعام میں ملی تھی؟"

رحیم الدین نے کہا "جی ہاں"

"اور تم نے اسے فاطمہ کو یہ سمجھ کر نہیں دکھایا کہ وہ اسے خراب کر دے گی، فاطمہ کو یہ بہت برا معلوم ہوا اور جب اس نے کتاب اتفاق سے دیکھ لی تو اسے چھیننے کی کوشش کی، اسی میں کتاب پھٹ کر خراب ہو گئی۔ اب تم سوچو کہ اگر تم نے یہ کتاب خود فاطمہ کو دی ہوتی اور اس سے کہا ہوتا کہ اسے اچھی طرح سے رکھنا تو کیا ہوتا؟"

رحیم الدین کو معلوم تھا کہ فاطمہ کتاب کے لئے ایک غلاف سی دیتی اور اس نے صرف اس گھمنڈ میں یہ سمجھ لیا تھا کہ وہ کتاب خراب کر دے گی، مگر اس وقت اس پر ضد سوار تھی۔ اس نے کہا:

"ہوتا کیا جیسے اب پھاڑ ڈالی ہے ویسے ہی تب بھی روز تصویریں دیکھ دیکھ کر میلی کر دیتی، پھاڑ ڈالتی!"

"خیر بھائی" باپ نے آخر میں کہا، "ہم نے تو ایک بات کہہ دی تم لڑنا چاہو تو ہم تمھیں روکنا نہیں چاہتے، مگر ہم نے جو کچھ کہا ہے اس پر غور کر لو۔"

باپ نے رحیم الدین اور فاطمہ میں میل کرانے کی کوشش نہیں کی اس کے کہنے سے دونوں لڑائی ختم بھی کر دیتے تب بھی ان کے دل صاف نہ ہوتے، اور باپ چاہتا تھا کہ ان کے دل صاف ہو جائیں۔ انسان کی طبیعت کچھ ایسی ہے کہ جو کام زبردستی کرایا جائے اسے وہ خوشی سے نہیں کرتا اور کام چاہے جتنا سہل ہو اسی وجہ سے خراب جاتا ہے، مگر اپنے جی میں آئے تو انسان مشکل سے مشکل کام میں اپنی جان کھپا دیتا ہے، چاہے لوگ تعریف کرنے کی جگہ اس پر ہنسیں اور اسے بیوقوف بنائیں۔ جو لوگ کام کرانا جانتے ہیں وہ کبھی حکم نہیں دیتے، وہ بس ایک بات آدمی کے جی میں ڈال دیتے ہیں؛ جیسے کسان کھیت میں بیج بوتا ہے، پھر وہ انسان کو پرائی بات نہیں معلوم ہوتی اور وہ اسے اپنی سمجھ کر اس میں خوب جی لگاتا ہے، اور وہ چاہے جتنی مشکل ہو انسان کی محنت اسے بائیں ہاتھ کا کھیل بنا دیتی ہے، اسی لئے اچھے استاد بچوں کو کبھی ڈانتے مارتے نہیں ہیں اور بچے کے دل میں ایسا خیال ڈال دیتے ہیں کہ وہ ہر کام کو اپنا سمجھ کر بڑی محنت سے کرتا ہے، اور استاد بس اس کی تعریف ہی کرتے رہتے ہیں، اسی طرح رحیم الدین اور فاطمہ کے باپ نے دونوں کے دلوں میں صلح اور محبت کے بیج بو دئے، اور باقی ان دونوں پر چھوڑ دیا۔

(بقیہ مضمون صفحہ ۷)

ہوا ئین نے سن یت سین کے آخری نقطہ نہایت غور سے سنے اور سوچنے سمجھنے کے بعد اپنی نگاہ اٹھائی اور سن یت سین کی طرف یوں مخاطب ہوا "اچھا سن یت سین! بات تو معقول ہے، مگر تم نے کبھی سوچا ہے کہ اس بڑے کام کے انجام دینے میں کن کن باتوں کی ضرورت ہے؟"

(باقی آئندہ)

تاریخ اسلام کے ۲ واقعے



مسلمانوں نے جب تلوار سنبھالی تو دنیا کی کسی قوم، کسی طاقت اور کسی جماعت سے مقابلہ کرنے میں نہ ان کے دلوں میں کبھی خوف پیدا ہوا، نہ ڈر، وہ صرف خدا سے ڈرتے تھے اس لئے خدا کے علاوہ دنیا کی کسی قوم سے نہیں ڈرے، انہوں نے اس کی پرواہ کبھی نہیں کی کہ ان کے سامنے کتنی بڑی فوج ہے، کتنا بڑا لہریں مارتا ہوا سمندر ہے، اس لئے کہ وہ جانتے تھے اگر مر گئے تو شہید ہوئے اور بلا حساب و کتاب جنت ملی، اور اگر جیت گئے تو غازی کہلائے، مال و دولت ہاتھ آیا، عزت بڑھی، لوگوں کی نظروں میں سرخروئی ہوئی، پھر وہ کیوں نہ میدان جنگ میں سب سے آگے رہتے!

یہ وہ زمانہ ہے کہ مسلمانوں کی فوجیں مکہ شریف اور مدینہ منورہ سے باہر نکل رہی ہیں اس وقت دنیا میں سب سے بڑی دو قومیں تھیں، ایک تو رومی، دوسرے ایرانی۔ ان دونوں کے پاس مال، اسباب، دولت، سپاہی، فوج، غرض کسی چیز کی کمی نہ تھی، اس لئے ان قوموں کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ دنیا میں ان پر کوئی غالب نہیں آسکتا، کوئی ان پر فتح نہیں پا سکتا، کوئی ان سے جیت نہیں سکتا لیکن مسلمان بھلا ان ظاہری باتوں سے کب ڈرنے والے تھے انکی زندگی، ان کی موت، ان کی نماز، ان کا روزہ، ان کی قربانی

اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اور ان کی تمام باتیں خدا ہی کے لئے ہیں، جس نے انھیں سارے زمانہ کو، اور زمانہ کی ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے، اس لئے مسلمان ان دونوں قوموں سے لڑنے کے لئے ہر وقت تیار رہتے تھے، چنانچہ ایک واقعہ آپکی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔

یرموک، رومی سلطنت کا ایک حصہ تھا، ایک بار مسلمانوں سے وہیں بہت بڑی جنگ ہوئی جس میں مسلمان چند ہزار تھے، اور رومی کئی لاکھ کی تعداد میں۔ مسلمانوں نے ہمت نہ ہاری اور میدان جنگ میں ڈٹے ہوئے مقابلہ کرتے رہے۔

دشمنوں کو یہ گھمنڈ تھا کہ ان کے سامنے چند ہزار آدمی ہیں ان کا مار لینا کونسی بڑی بات ہے؟ ابھی ابھی مارے لیتے ہیں، یہ لوگ جنہیں نہ لڑنے کا فن آتا ہے، نہ ان کے پاس لڑنے کے کافی اسلحے ہیں، نہ کافی فوج ہے، نہ سامان رسد۔ یہ ہمارے مقابلہ پر کتنی دیر ٹھہریں گے!

ادھر مسلمانوں کو یہ خیال تھا کہ ہم خدا کے لئے لڑ رہے ہیں، وہ ہماری مدد کرے گا، اس کے اختیار میں سب کچھ ہے، اور اگر ہم قتل بھی ہوئے تو جنت کے دروازے ہمارے لئے کھلے ہوئے ہیں، حوریں استقبال کے لئے موجود ہیں، اور فرشتے ہاتھوں ہاتھ لینے کے لئے تیار کھڑے ہیں

غرض دونوں طرف کے لوگوں نے اپنا دل مضبوط کیا، اور



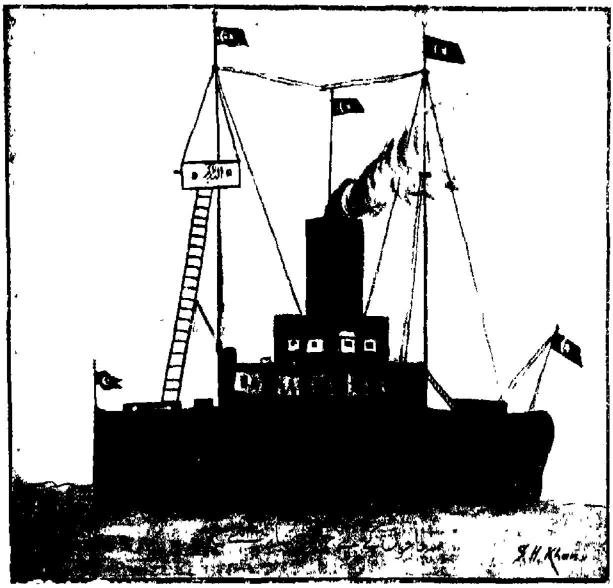
بچی میلادالنبی کی جلسی میں سبق پڑھ رہی ہیں

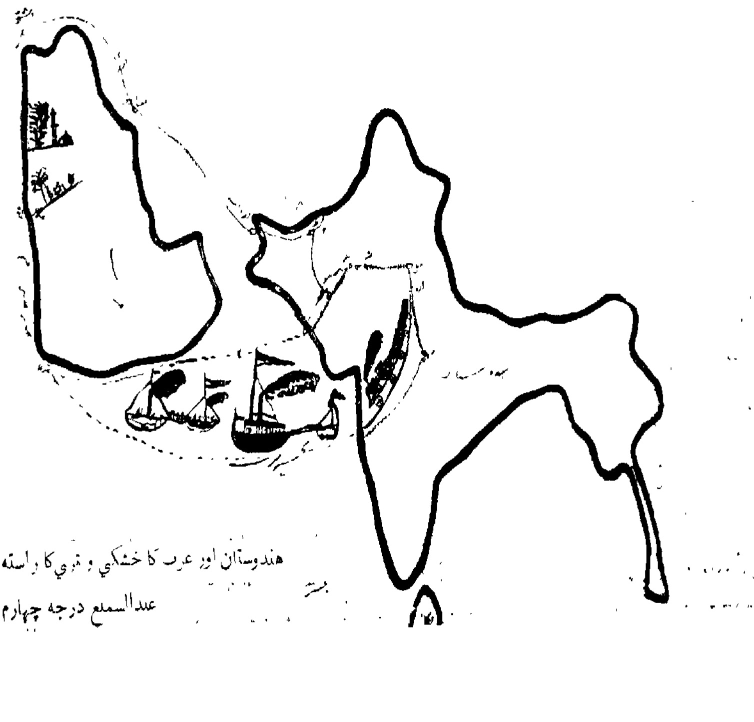


عبدالناصر (ابتدائی سوم) عمر ۱۰ سال
اس بچی نی "دو تیم کی لڑائی" کی عنوان سی قصہ
لکھا ہی جو "باغبانی پروجیکٹ" میں درج ہی۔



آفتاب احمد (ابتدائی سوم) عمر ۱۰ سال
اس بچی نی «ہماری ہاں کی موسم» کی عنوان سی ایک
قصہ لکھا ہی۔ قصہ «باغبانی پروجیکٹ» میں چھپا ہی۔





هندوستان اور عرب کا خشکی و تری کا راستہ
عبدالسمیع درجہ چہارم

[illegible] کر دی تھوڑی دیر کے لئے، ٹھہرو کہ ہم سب میدان جنگ [illegible] اب جنگ کا تماشا دیکھو،

ایک طرف سواروں کا ایک دستہ ہے، زرق برق لباس پہنے گھوڑوں پر اکڑے ہوئے بیٹھے ہیں، سر سے پیر تک لوہے میں ڈوبے ہوئے ہیں، ایک ہاتھ سے گھوڑے کی لگام پکڑے ہوئے ہیں ایک ہاتھ میں برچھی ہے، کمر سے تلوار لٹک رہی ہے، پیٹھ پر تیروں کا ایک ترکش ہے جس میں تیر بھرے ہوئے ہیں، دوسری طرف پیدل فوج ہے، یہ بھی مرنے مارنے پر تیار ہے، اس جماعت میں بھی ایک ایک شخص بیکلی سی محسوس کر رہا ہے کہ جلدی لڑائی ہو اور وہ اپنی بہادری کا نمونہ دکھائے، بس منتظر کھڑے ہیں کہ سردار حکم دے اور یہ "اللہ اکبر" کا نعرہ بلند کرکے میدان میں کود پڑیں، اتنے میں فوج کا سردار ایک خوبصورت گھوڑے پر سوار نہایت اچھی پوشاک پہنے اِدھر اُدھر گھوم رہا ہے کہ سب لوگ ٹھیک طرح سے کھڑے ہیں یا نہیں؟

لیجئے اب جنگ شروع ہو گئی، تلواریں میان سے نکل آئیں اور بندوقوں کی باڑھ چلنے لگی، نیزے ہوا میں ہلنے لگے، تیر اڑ اڑ کر لوگوں کے سینے چھلنی کرنے لگے، اب کوئی کسی کو نہیں پوچھتا، ہر شخص کو اپنی اپنی فکر ہے. بڑی گھمسان کی لڑائی ہو رہی ہے ہر جماعت یہ چاہتی ہے کہ جنت میری رہے، دیکھئے ہوتا کیا ہے؟

لڑائی بڑے زور شور سے ہو رہی ہے، سر کٹ کٹ کے گر رہے ہیں، آدمی زخمی ہو ہو کے گھوڑوں سے زمین پر آ رہے ہیں، جو زمین پر گرا وہ دنیا سے گیا، بڑی دیر تک اسی طرح سے جنگ ہوتی رہی. کہا نہیں جا سکتا تھا کیا ہوگا، آخر رومیوں کی فوج میں بھاگڑ مچی، ہر شخص بھاگنے لگا، فوج تتر بتر ہو گئی تھوڑی دیر میں میدان صاف ہو گیا، تو بہت سے رومی گرفتار کر لئے گئے، ہزاروں قتل ہو گئے، مسلمانوں کے صرف چند سو آدمی کام آئے، وہ خوشی کے نعرے لگاتے ہوئے، اللہ اکبر کہتے ہوئے، خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے اپنے خیموں میں واپس آ گئے دنیا کو حیرت ہوتی ہے کہ چند ہزار آدمی چند لاکھ پر کیسے فتح پا گئے اس پر کوئی غور نہیں کرتا کہ وہ اپنے خدا، اپنے رسول کے حکموں کی کیسے دل و جان سے پابندی کرتے تھے، نماز پڑھتے تھے، روزہ رکھتے تھے، ان کے لئے اپنی جان ہر وقت ہتھیلی پر لئے رہتے تھے، آج ہماری یہ حالت ہے کہ ہم سب کچھ چاہتے ہیں لیکن مرنا نہیں چاہتے، اگر موت ہمارے نزدیک ایک معمولی بات ہو جائے، اور خدا پر ویسا ہی بھروسہ ہو جائے تو آج پھر ہم ساری دنیا کو بتا سکتے ہیں کہ ہم کمزور نہیں ہیں بلکہ زور والے ہیں، اور جس کا جی چاہے رومیوں کی طرح ہم سے مقابلہ کر کے دیکھ لے۔ اس جنگ کا ایک اور واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے، جنگ جب ختم ہوئی تو ایک طرف سے "پانی، پانی" کی آواز آئی، ایک آدمی پانی لے کے بڑھا دیکھا کہ ایک شخص زخموں سے چور پانی مانگ رہا ہے. پانی دیا گیا جب پینے کا ارادہ کیا تو دوسری طرف سے "پانی پانی" کی آواز آئی، اس شخص نے بے پئے ہوئے پیالہ واپس کر دیا اور کہا کہ جدھر سے آواز آئی ہے وہاں پانی لے جاؤ، وہ پانی لے کر اُدھر گئے، اور پانی دیا، جب انہوں نے پیالہ لیا تو ابھی پینے نہیں پائے تھے کہ تیسری طرف سے "پانی، پانی" کی آواز آئی، انہوں نے بھی اپنا پیالہ واپس کر دیا، اور کہا کہ وہاں جا کر پانی پلاؤ جہاں سے یہ آواز آئی۔ وہ پانی لے کے تیسرے آدمی کی طرف بڑھے جب پہنچے تو دیکھا کہ زخموں کی کثرت اور پیاس کی شدت سے انتقال ہو چکا ہے، دوسرے صاحب کے پاس آئے تو وہ بھی اتنی دیر میں مر چکے تھے، پہلے کے پاس واپس گئے، تو ان کا بھی اس جہاں سے کوچ ہو چکا تھا، اس طرح ان تینوں میں سے اپنی ہمدردی، اور محبت کی وجہ سے ایک بھی پانی نہ پی سکا،

کاش آج بھی ہم میں اتنا ہی بھائی چارہ ہوتا، ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا اتنا ہی خیال کرتا، تو آج ہم بھی دنیا میں نیکنام ہوتے، ترقی



سترھویں صدی کا وسطی زمانہ یورپ کی تاریخ میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا جب کہ عیسائی مذہبی پیشواؤں کا اقتدار لوگوں کے دلوں سے ایک حد تک اٹھ چکا تھا۔ پڑھے لکھے آدمی پرانے اصول اور نظریوں کو شک کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ہر تعلیم یافتہ شخص تجسس اور تحقیق کے جذبہ میں سرشار نظر آتا تھا۔ یورپ کے بڑے بڑے حکمران اور نواب بھی اس زمانہ کی لہر سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ ان میں سے بعض نے سائنس کی تحقیقات کے لئے ذاتی معمل قایم کئے اور بڑی بڑی تنخواہیں دے کر بعض حکماء کو ان کا نگراں مقرر کیا۔ یورپ کا کوئی بڑا ملک ایسا نہ تھا جس میں ایک علمی مجلس قائم نہ ہوئی ہو۔ ان مجالس میں علمی مکالمے ہوتے تھے۔ انہیں علمی مجالس میں سے ایک "ان وزی بل کالج" (Invisible College) تھی جو اسی زمانہ میں لندن میں قائم ہوا۔ اس کے ارکین اگرچہ تعداد میں کم تھے لیکن اپنی علمی دلچسپی کی وجہ سے ملک بھر میں ممتاز سمجھے جاتے تھے اس مجلس کے قیام کا صرف ایک ہی مقصد تھا اور وہ یہ کہ حکمیات (جس کو اس زمانہ میں فلسفہ جدید کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا) کا عملی طور پر مطالعہ کیا جائے۔ ہر ہفتے کسی ایک رکن کی جائے قیام پر مجلس کا جلسہ منعقد ہوتا اور اس میں کسی ایک مسئلہ پر گفتگو اور بحث مباحثہ ہوتا۔ اس کے بعد تمام ارکین باقی ایام میں زیر بحث مسئلہ پر عملی طور سے جانچ پڑتال کرتے اور اپنے مشاہدوں اور نتائج سے ایک دوسرے کو مطلع کرتے۔

اس غیر معروف مجلس کے ارکین میں ایک نوجوان شخص تھا جو اس کی تمام کارروائیوں میں نہایت ہی شوق دلچسپی اور گرمجوشی سے حصہ لیتا اس کا نام رابرٹ بائل تھا۔

رابرٹ بائل ۱۶۲۶ء میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ آئرلینڈ کے کسی علاقے کا نواب تھا۔ آٹھ برس کی عمر میں بائل کو ایٹن کے ایک مدرسہ میں بھیجا گیا۔ اس مدرسہ کا مہتمم نہ صرف خود ایک نیک نفس اور شریف انسان تھا بلکہ دوسروں کو بھی ان خوبیوں کا حامل بنانے کی اہلیت رکھتا تھا۔ اسی زمانہ میں بائل بیمار ہوا۔ اور ایک "نیم حکیم" کے علاج نے اس کے مرض کو اور بھی پیچیدہ بنا دیا۔ اس واقعہ نے بائل کو ایک طرف تو اناڑی طبیبوں کی جانب سے بدعقیدہ کر دیا اور دوسری طرف علم طبیعی کے مطالعہ کی ضرورت اور شوق کو اس کے دل میں پیدا کر دیا تاکہ نیم حکیموں سے پھر کبھی اسے واسطہ نہ پڑے۔

تعلیم کو ادھورا چھوڑ کر بائل ایک فرانسیسی اتالیق کے ہمراہ یورپ کے مختلف ممالک کو دیکھنے کی غرض سے نکلا۔ چھ سال کی سیاحت کے بعد جب وہ آئرلینڈ واپس آیا تو اس نے اپنے آپ کو مختلف مصائب میں گھرے ہوئے پایا۔ چونکہ سائنس سے اس کو طبعی لگاؤ تھا لہذا

ی تعالی میں وہ اس مجلس کا ممبر ہو گیا اور مصیبت کے زمانہ کو اس نے
نظم کے مطالعہ اور عمل کے علمی تجربوں میں گزار دیا
بائل اور اس کے رفقائے کار کی انتھک کوششوں اور علمی تحقیقات
ا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ مجلس "تھوڑے ہی عرصہ میں" لندن کی شاہی مجلس"
ن گئی اور ۱۶۶۲ء میں بادشاہ انگلستان کی طرف سے اس کو اجازت نا
ی مل گیا اور بائل شاہی فرمان کے ذریعہ اس کا رکن خاص مقرر ہوا
ندن میں اب اس نے مستقل طور پر سکونت اختیار کر لی اور اس جگہ
۶۴ سال کی عمر میں ۱۶۹۱ء میں اس کا انتقال ہوا۔

بائل ایک فلسفی تھا لیکن علم طبیعات سے اس کو خاص دلچسپی تھی
وہ فطرت کے اصولوں کا گہرا مطالعہ کر کے ان کی حقیقت کو معلوم کرنا چاہتا
تھا۔ ۱۶۶۱ء میں اس کی کتاب "متشکک کیمیا داں" The Sceptical Chemist شائع ہوئی جس میں اس نے "اربعہ عناصر"[1]
اور "ثلاثہ اجزا"[2] کے نظریوں کی تردید کی۔ لیکن باوجود اس کے خاک و
آب کو وہ بھی عناصر ہی سمجھتا رہا۔

لندن کی شاہی مجلس کی تحقیقات کے نتائج جب شائع ہونے
لگے تو بعض معترضین نے علی الاعلان اس کے اراکین کو بے دین
اور مذہب مقدس کا دشمن قرار دیا۔ بائل چونکہ ایک مذہبی آدمی تھا اس
لئے بعض لوگوں نے اسکو مشورہ دیا کہ وہ اپنا نام ایسی مجلس کی رکنیت
سے واپس لے لے جس کا وجود مذہب کے لئے ایک زبردست خطرہ
تھا۔ لیکن بائل نے ان مذہبی دیوانوں کی ایک نہ سنی اور اپنی تحقیقات
اور اکتشافات میں مشغول رہا۔

اس نے ایک آلہ تیار کیا جس کا نام Pneumatical Engine رکھا۔ اس انجن کے ذریعہ اس نے تحقیقات کر کے گیسوں
کے متعلق اصول وضع کئے "کلیۂ بائل" سے سائنس کا ہر طالب علم
واقف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ دباؤ اور گیسوں کے حجم میں نسبت
معکوس ہوتی ہے، یعنی اگر کسی خاص حجم کی گیس پر دباؤ دگنا کر دیا جائے
تو اس کا حجم نصف رہ جائے گا۔ اور اگر چار گنا کر دیا جائے تو حجم ایک
چوتھائی رہ جائے گا۔ بائل کا Pneumatical Engine
بالکل سادہ ساخت کا ایک آلہ تھا جس میں سے ہوا خارج کر کے خلا
پیدا کیا جا سکتا تھا۔ اسی آلہ کی مدد سے بائل نے کئی ایک مشاہدات
کئے۔ جن میں سے چند ایک کا درج کرنا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

(ا) مقیاس الہوا یعنی بیرومیٹر کو اس آلہ میں رکھا۔ جب اس میں سے
ہوا خارج کرنا شروع کی تو اس نے معلوم کیا کہ ہوا کے اخراج کے ساتھ
ساتھ نلی میں سے پارہ بھی گرتا جاتا ہے۔ لہذا وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ مقیاس
الہوا کی نلی میں پارہ ہوا کے وزن کے برابر رہ سکتا ہے۔ اس کے اس
تجربہ کو آکسفورڈ کے طلبہ اور اساتذہ دیکھنے کے لئے آئے۔

(ب) سترہویں صدی کے سائنسدانوں کو اس بات کا علم تھا کہ آواز
ایک مقام سے دوسرے مقام تک ہوا کے ذریعہ منتقل ہوتی ہے چنانچہ

---

[1] "اربعہ عناصر"۔ یونانی حکما کے نزدیک تمام مادی اشیا چار اجزا یا عناصر (آب۔ آتش۔ باد۔ خاک) سے مل کر بنی ہیں اور ان میں سے ہر ایک عنصر دو خواص رکھتا ہے۔ مثلاً پانی سرد و مرطوب۔ آگ گرم خشک۔ ہوا گرم مرطوب۔ خاک سرد خشک۔
ہر عنصر کی دو خاصیتوں میں ایک بلحاظ قوت کے دوسری پر غلبہ رکھتی ہے مثلاً پانی میں برودت زیادہ ہے بہ نسبت رطوبت کے۔ آتش میں حرارت زیادہ ہے بہ نسبت خشکی کے۔ ہوا میں رطوبت زیادہ ہے بہ نسبت حرارت کے اور خاک میں خشکی زیادہ ہے بہ نسبت سردی کے۔ "اربعہ عناصر" کا نظریہ سترہویں صدی کے وسط تک یورپ کے حکما کے لئے مشعل راہ بنا رہا۔

[2] "ثلاثہ اجزا" سولہویں صدی کے اوائل میں یورپ میں سائنسدانوں کا ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جس کی تعلیم کا بنیادی اصول یہ تھا کہ ہر مادی شے کے اجزا میں سے نمک، گندھک، اور پارہ کا ہونا ضروری ہے۔ اور اشیا کے رنگ اور خواص اس لئے مختلف ہوتے ہیں کہ ان میں مذکورہ بالا تین اجزا مختلف مقداروں میں پائے جاتے ہیں وہ علم کیمیا کو علم طب کا شعبہ سمجھتے تھے۔

...ے اصلی صداقت کا مزید ثبوت اپنے انجن ہی کے ذریعہ اس طرح دیا کہ آلہ میں اپنی گھڑی رکھ کر اس میں سے تمام ہوا خارج کر دی۔ کان لگانے پر معلوم ہوا کہ اس حالت میں ٹک ٹک کی آواز نہیں آتی۔

(ج) بائل ایک رحم دل شخص تھا لیکن رحم دلی کا وصف ہر موقع پر قابل ستائش نہیں۔ چنانچہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ زندگی کے قیام کے ساتھ ہوا کا کہاں تک تعلق ہے اس نے ایک روز ایک چڑیا کو اپنے انجن میں بند کر دیا۔ دوسرے روز جب وہ زندہ پائی گئی تو اس پر ترس کھا کر چھوڑ دیا۔ اسی سلسلے میں بلی کے ایک بچہ کو بند کیا لیکن ایک خاتون کی درخواست پر اس کو بھی چھوڑ دیا۔ اس رحم دلی کی بنا پر تنفس کے متعلق وہ کوئی خاص معلومات پیش نہیں کر سکا۔

(د) بائل کا سب سے آخری اور نتیجہ خیز تجربہ یہ تھا کہ اس نے ایک برتن میں پانی کو خوب گرم کر کے اپنے انجن میں رکھ دیا۔ جب ہوا اس میں سے خارج کر دی گئی تو پانی ایسے کھولنے لگا جیسے سخت حرارت پہنچانے پر کھولتا ہے اس تجربہ سے اس نے یہ اصول وضع کیا کہ کم دباؤ میں پانی کم درجہ حرارت پر کھولتا ہے۔

بائل کو ہوا کے مادی چیز ہونے کا علم تھا چنانچہ اس کا وزن معلوم کرنے کے لئے اس نے پہلے خالی بلیڈر اور پھر ہوا سے بھر کر اس کو وزن کرنے پر معلوم کیا کہ خالی بلیڈر کا وزن ہوا کے بھرے ہوئے بلیڈر کے وزن سے کم ہے۔

اسی سائنسداں نے مخراج الہوا کے استعمال کو انگلستان میں رائج کیا۔

بائل ایک دبلے پتلے جسم کا آدمی تھا آخری عمر میں اسکی صحت کثرت کار کی وجہ سے خراب ہو گئی۔ وہ نہایت ہی رحم دل اور شریف الطبع انسان تھا۔ اسی کے قول کے مطابق اس نے (اپنی) تمام عمر میں کسی ناراض ہونیکا موقع نہیں دیا۔ وہ مذہب کا سخت پابند تھا۔ اور باوجود ایک وسیع الخیال اور عملی فلسفی ہونے کے وہ ایک تنگ نظر اور متعصب عیسائی تھا۔ مذہبی کاموں میں ان سے بڑی بڑی رقمیں بطور چندہ کے دیں۔ آخری عمر میں اس نے اپنی جائداد کا کچھ حصہ صرف اس لئے وقف کر دیا کہ اسکی آمدنی غیر مذاہب خصوصاً دہریت اور اسلام کے مٹانے پر صرف کیجائے۔

اب ہم رابرٹ بائل کے زمانہ کے دو ایک مشہور سائنسدانوں کے حالات مختصر طور پر بیان کر کے مضمون کو ختم کرتے ہیں تاکہ ناظرین کو معلوم ہو جائے کہ یورپ کے دوسرے ممالک کے حکما یعنی مختلف تحقیقات مصروف تھے اور انکی تحقیقات اور انکشافات انگلستان کے سائنسداں سے کسی طرح کم نہ تھے۔ بطوالت کے خوف سے صرف جرمنی کے ایک سائنسداں کے حالات قلمبند کرنے پر اکتفا کیجاتی ہے۔

(جو انشاء اللہ آئندہ اشاعت میں ہدیہ ناظرین ہوگا)

(بقیہ صفحہ ۱۱)

کرتے۔ لیکن آج تو ہماری یہ حالت ہے کہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے دکھ درد پر ہنستا ہے، خوش ہوتا ہے، بلکہ ایک مسلمان دوسرے مسلمان کے طرح طرح کی تکلیفیں پہنچاتا ہے، مصیبتیں دیتا ہے اور طرح طرح سے ستاتا ہے، خدا ہم مسلمانوں پر رحم کرے، اور پھر ہم ویسے ہی ایک مسلمان کے لئے ہو جائیں جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی تعریف کی ہے کہ "وہ کفار کے مقابلہ میں تو بہت سخت ہوتے ہیں، لیکن آپس میں بہت مہربان[1]۔"

---

[1] اشداء علی الکفار رحماء بینھم ۔ (قرآن)

کوائف جامعہ

یوم تاسیس

کوئی ۲ سال کے بعد اب کے پھر جامعہ کا یوم تاسیس منایا جانا طے پایا۔ تقریباً ایک مہینہ سے اس کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ جامعہ کی تمام جماعتیں اور شعبے اپنے اپنے ہدیے تیار کرنے میں مصروف تھیں جوں جوں ۲۹ تاریخ قریب آتی جاتی تھی، لوگوں کی تیاریوں کی رفتار میں تیزی ہوتی جاتی تھی۔ بالآخر ۲۸ تاریخ تک سب کچھ مکمل ہوگیا۔

یوم تاسیس کی تقریبات میں سب سے پہلی چیز دو ڈرامے تھے جو ۲۸ تاریخ کی شب میں ہوئے۔ ان ڈراموں میں سے ایک چھوٹے بچوں کا تھا جو شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب کا لکھا ہوا تھا۔ اور دوسرا بڑے لڑکوں کا تھا جسے پروفیسر محمد مجیب صاحب نے لکھا، اور تیار بھی کرایا تھا۔ پہلے ڈرامے کا عنوان "دیانت" تھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ گھسیٹا نام ایک لکڑہارا ہے جو نواب ظالم جنگ کے ہاں نوکر ہے۔ ایک دن جنگل میں اسکی کلہاڑی گم ہو جاتی ہے اور اس کے عوض سونے چاندی کی کلہاڑیاں ملتی ہیں لیکن وہ انکار کر دیتا ہے اور اپنی لوہے کی کلہاڑی چاہتا ہے۔ اسی جنگل میں نواب ظالم جنگ آتے ہیں جس نے سلامت جنگ کا یہ علاقہ غصب کر لیا ہے اور آس پاس کے تمام رہنے والوں کی گائیں بھینسیں چھین لی ہیں۔ اسکی بھی فولادی تلوار کھو جاتی ہے اور اس کے عوض اسے سونے چاندی کی تلواریں ملتی ہیں۔ وہ ان کو اپنی تلوار بتاتا ہے اور اپنی تلوار سے انکار کر دیتا ہے کہ اتنے میں نواب سلامت جنگ آکر اسی فولادی تلوار سے اسکو ظلم کا مزہ چکھاتے ہیں۔

دوسرا ڈرامہ "مکھیتی" کے عنوان سے تھا جسکا خلاصہ یہ ہے کہ عبدالغفور صاحب نامی ایک مولوی صاحب ہیں جو ایک ذرا سے معاملہ پر غریب جاہل مسلمانوں کو جہاد پر آمادہ کر دیتے ہیں۔ یہ بیچارے مزدور پیشہ لوگ اپنا کاروبار چھوڑ کر مرنے مارنے پر تیار ہو جاتے ہیں کہ حسام الدین ایک تعلیم یافتہ زمیندار آتے ہیں اور ان بچاروں کو سمجھاتے ہیں کہ "بھائی! سب سے پہلے آپ محنت کرنا اور کمانا سیکھئے، فضول خرچی چھوڑیئے، ٹھاٹھ کرنا چھوڑیئے اگر آپ کو جہاد کا شوق ہے تو ڈنڈا ہاتھ میں لینے سے پہلے یہ سوچ لیجئے کہ جہاد خدا کے لئے ہوتا ہے اپنا غصہ اتارنے کے لئے نہیں" اس تقریر سے متاثر ہو کر یہ لوگ واپس چلے جاتے ہیں، اور خوب محنت مزدوری کرتے ہیں جس سے انکی حالت تھوڑی ہی مدت میں نہایت اچھی ہو جاتی ہے۔

اتفاق سے انہی دنوں میں کانگریس کی مجلس عاملہ کا جلسہ بھی تھا جسکی وجہ سے تقریباً تمام اراکین آگئے تھے۔ جن میں ڈاکٹر انصاری، پنڈت جواہر لال نہرو، سردار ولبھ بھائی، مسٹر شیروانی، ڈاکٹر محمود، سردول سنگھ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

دوسرے دن اصل "یوم تاسیس" کی تقریب تھی۔ ۸ بجے ٹھیک جلسہ کی ابتدا کا وقت تھا اور ۷½ ہی سے تمام ہال بھر گیا تھا۔ ۸½ بجے جلسہ شروع ہوا۔ امیر جامعہ جناب ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحب جلسہ کے صدر تھے۔ سب سے پہلے تلاوت کلام مجید ہوئی، اس کے بعد شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب نے مختصر طور پر جامعہ کے گزشتہ و موجودہ حالات پر ایک موثر تقریر فرمائی اس میں آپ نے جامعہ کی مالی اور تعلیمی حالت کا ذکر کرتے ہوئے حاضرین سے یہ درخواست کی کہ وہ جامعہ کو خواہ کچھ نہ دیں لیکن اس کے کاموں کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ اخیر میں آپ نے اعلان کیا کہ کارکنان جامعہ

کا عنقریب تعلیم بالغان کا کام شروع کرنے کا ارادہ ہے اور وہ یہ چاہتے ہیں کہ آئندہ چند سال میں اندر قرول باغ میں ایک مسلمان متنفس بھی بے پڑھا لکھا نہ رہ جائے۔ اس کے ساتھ آپ نے یہ بھی اعلان فرمایا: کہ ایک صاحب نے جو اپنا نام ظاہر نہیں کرنا چاہتے ہیں اس کار خیر کے لئے پانچ سو کی یکمشت رقم عنایت کی ہے۔

آپ کی تقریر کے بعد سنگیرین پروفیسر جناب جولیس گرمانس صاحب نے ایک بصیرت افروز تقریر فرمائی جس میں آپ نے جامعہ کے کاموں کو سراہتے ہوئے اور اس سے اپنی بہت سی خوش آیند توقعات کا اظہار کرتے ہوئے یہ مسرت افزا اور مبارک اعلان فرمایا کہ میں مذہب اسلام کی عالمگیر مساوات اور اخوت کو دیکھ کر اسے قبول کرتا ہوں اور آج سے اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان محمدا الرسول الله کا زبان سے اقرار اور دل سے اس کا یقین کرتا ہوں۔ اس مبارک اعلان پر حاضرین نے اپنی انتہائی مسرت و خوشی کا اظہار کیا اور ہر طرف سے تحسین و مبارک باد کی صدائیں آنے لگیں۔

آپ کی تقریر کے بعد جناب صدر نے ایک مختصر سی تقریر میں تمام کارروائی پر تبصرہ فرمایا اور اس سلسلہ میں جامعہ کی اس زیر تعمیر عمارت کی تکمیل کے لئے جس میں یہ جلسہ منعقد ہوا تھا اور جو جامعہ کی عمارت ہے، اپنے ایک دوست کی طرف سے تین ہزار روپیہ کا اعلان کیا اس کے بعد ڈاکٹر گرمانس صاحب کو اپنے زمانہ طالب علمی میں ایک اپنے ہنگیرین دوست کے اسلام لانے کا واقعہ یاد دلاتے ہوئے ان کے اس شرف و سعادت پر دلی مبارک باد دی۔

اس کے بعد نصف گھنٹہ کے لئے جلسہ کی کارروائی ملتوی کر دی گئی تاکہ اس عرصہ میں مہمانان جامعہ و حاضرین جلسہ بچوں اور لڑکوں کی بنائی ہوئی چیزوں کی نمائش کا ملاحظہ کرلیں وہاں کے پاس ہی ایک کمرہ میں منزل ابتدائی کے بچوں کی لکھائی، دستکاری اور ان کے دوسرے کاموں کی نمائش تھی۔ معلمانہ تنگ کے کاموں سے تمام ہال سجا ہوا تھا جس پر لوگوں کی نظریں بار بار پڑتی تھیں، لیکن ان سب میں ایک چیز سب سے زیادہ نمایاں اور لوگوں کی توجہ کو جذب کرنے والی تھی، وہ دہلی کی جامع مسجد تھی جو ثانوی دوم کے شعبہ نجاری کے لڑکوں نے لکڑی کی تیار کی تھی۔ اس میں شعبہ سائنس کی مدد سے تمام دروں اور محرابوں کے اندر برقی روشنی کی گئی تھی۔ لڑکوں کی اس محنت اور کاریگری پر حاضرین نے بہت کافی خراج تحسین دیا

یہ سب کچھ ختم ہونے کے بعد ۹ بجے بزم مشاعرہ منعقد ہوئی یوم تاسیس کے سلسلہ میں جامعہ کا دستور چلا آتا ہے کہ ملک کے باکمال اور نامی گرامی شعرار کو مدعو کرتی ہے اور ان کا بہترین کلام سننے کے لئے ایک شعر خوانی کی مجلس منعقد کرتی ہے۔ چنانچہ اب کے بار بھی جو حضرات باہر سے تشریف لائے، ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں

(۱) حضرت ثاقب لکھنوی (۲) اصغر حسین اصغر گونڈوی
(۳) مولانا حسرت موہانی (۴) حضرت مانی جائسی
(۵) ابو الاثر حفیظ صاحب جالندھری۔

جناب صفی صاحب لکھنوی اور جناب ظریف صاحب ناگزیر مجبوریوں کی وجہ سے اس موقع پر تشریف لا سکے۔

دہلی کے شعرار میں حضرت ساحر، ڈاکٹر سعید احمد صاحب برلیوی پروفیسر اکبر حیدری، عشرت رحمانی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے مقامی شعرا بھی تشریف لائے تھے لیکن افسوس ہے کہ علالت کی وجہ سے جناب نواب سراج الدین صاحب سائل اور حضرت بیخود تشریف نہ لا سکے۔ شعر خوانی کی یہ مجلس کوئی ۱۲ بجے شب تک جاری رہی اکثر شعرار سے حاضرین نے دوبارہ سہ بارہ پڑھنے کی درخواست کی۔ مولانا شرف الدین صاحب استاد اردو جامعہ اس جلسہ کے صدر تھے۔



اس کے جواب میں آپ بچوں کے ساتھ بازار جایئے، باغ میں جائے۔ کارخانے میں جایئے، کسی تقریب میں جایئے۔ اگر آپ ان کے رفیق کار رازدار ہیں، تو آپ دیکھیں گے کہ بے انتہا سوالات بچے کی طرف سے ہورہے ہیں۔ گذشتہ سال میں بچوں کو سیر کرانے قرول باغ کی پہاڑیوں میں لے گیا وہاں بہت سے سوالات لڑکوں نے کئے۔ ایک لڑکا ڈھاک کے پتے توڑ کر لایا اور مجھ سے کہنے لگا بتلایئے اس میں کیا بیچتے ہیں؟ میں نے کہا برف۔ پھر کہنے لگا یہ اور کیا کام آتا ہے؟۔ میں اسی طرح جواب دیتا رہا نیز بعض لڑکوں نے ایسی باتیں پوچھیں جو انہیں معلوم نہیں تھیں۔ فرض کیجئے میں اس وقت طلبہ کو جواب نہ دیتا کسی اور دن ان ہی سوالات کے جوابات دینے کا ارادہ کرتا تو کیا وہ اس دلچسپی سے معلوم کرتے جو اس وقت کی تھیں؟ اگر ہم بچے کے سوال کا جواب بروقت نہیں دیتے ہیں تو اسے اس علم سے محروم کرتے ہیں جو وہ بعد میں مشکل سے سیکھ سکے گا۔

بچہ اپنے مقاصد جسقدر مضبوط رکھے گا اسی قدر وہ اس میں انہماک ظاہر کریگا فرض کیجئے ایک بچہ مداری کا تماشہ دلچسپی کے ساتھ کھڑا دیکھ رہا ہے، ہر طرف سے لوگوں کی بھیڑ یا دباؤ ہے وہ اس کی مطلق پرواہ نہیں کرتا ہے۔ بعض اوقات دوسرے بچے پوری قوت کے ساتھ اس کی پیٹھ پر دباؤ ڈال کر تماشہ دیکھنے میں مشغول ہوتے ہیں مگر وہ اس دباؤ کو محسوس نہیں کرتا ہے اس کے پیر روندے جاتے ہیں وہ کوئی تکلیف محسوس نہیں کرتا ہے۔ گذشتہ سال میں طلبہ سے پختہ نالی بنوا رہا تھا، اگست کا مہینہ اور سخت گرمی تھی، کام ختم نہ ہونے پر لڑکوں نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ دوپہر میں کھانے کے بعد اس کام کو مکمل کریں گے۔ طلبہ اس تکلیف دہ موسم میں وقت مقررہ پر آئے اور اپنا کام کیا حتی کہ وہ اپنا شام کا ناشتہ بھول گئے۔

سالانہ امتحان کے موقع پر میں نے طلبہ سے بات چیت کی اور کہا کہ انہیں چند سوال ایسے دیدئے جائیں گے جن کے جوابات کے لئے انہیں کتابوں سے دوستوں سے دوستوں سے اپنے پچھلے تجربوں سے مدد لینی پڑیگی اور یہی کامیابی کا معیار ہوگا۔ طلبہ پرانے طریقہ سے امتحان دینے کے عادی تھے انھیں یقین نہیں آتا تھا میں نے گفتگو میں ڈھیل دی۔ چونکہ طلبہ کو یقین نہیں تھا ان کا مقصد متعین نہیں ہوا تھا اس لئے طلبہ میں اس وقت امنگ پیدا نہیں ہوئی تھی گھنٹہ بج گیا میں چلا گیا معاملہ یونہی رہ گیا دوسرے روز پھر میں نے بات چیت کی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ اسی طریقہ سے امتحان ہوگا اب ان کی حالت دوسری تھی، قبل از وقت کتنے ہی سوالات پوچھ ڈالے۔ اب ان کے مقصد کو دخل تھا۔ اس طریقہ سے امتحان شروع ہونے میں چار دن باقی تھے دوسرے دن میں دیکھتا ہوں کہ ایک لڑکا بڑی احتیاط کے ساتھ کاپی کے ایک صفحہ پر صرف دو سوال حل کرنے کی مشق کر رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا "اس قدر احتیاط کیوں کر رہے ہو؟ لڑکے نے جواب دیا" مجھے اسی طریقہ سے اس نئے امتحان میں کرنا ہے" ایک دن میں بازار جا رہا تھا، دارالاقامہ کے پاس سے گزرا ایک لڑکا کہنے لگا" میں سمجھ گیا آپ ہمارے نئے چٹائی لا کرے ضرورت تھی، لانے جا رہے ہیں؟" دیکھا آپ نے مقصد کے متعین ہونے سے دلچسپی میں کس قدر اضافہ ہوجاتا ہے؟

عبدالحی کا شمار جماعت کے کمزور لڑکوں میں تھا، جماعت میں ایک مضمون لکھنے کے لئے دیا گیا تھا دوسرے روز پہلے گھنٹہ میں مجھ سے کہنے لگے "پہلے اور دوسرے گھنٹے کی اجازت دلوا دیجئے طبیعت مضمون لکھنے کو چاہتی ہے" مجھے تعجب ہوا کہ آج اسے یہ شوق کیسے پیدا ہوا ہے۔ میں نے اجازت دیدی۔ طالب علم نے متواتر کام کیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا شمار اچھے مضامین میں ہوا۔ جماعت میں مناسب حوصلہ افزائی کی گئی، پہلے وہ خائف تھا، مگر اب پیش پیش رہنے کی کوشش کرتا تھا۔

ایک مدرس طلبہ کے ارادوں میں جس قدر مدد دے گا اُسی قدر اُس کے نتائج خوشگوار ہوں گے۔ ابتدائی سوم میں میں نے مرزا فرحت اللہ بیگ کی ایک کہانی کا تذکرہ کیا۔ لڑکے کہانی سننے کے لئے تیار تھے۔ میں نے اُس وقت دل میں خیال کیا کہ یہ کہانی اُس وقت سنائی جائے جب کہ طلبہ میں اس کے سننے کے لئے پورا جوش پیدا ہو جائے اب میں نے طلبہ سے وہ حالات بیان کرنے شروع کئے جو پچھلے سال اسی اگلے طلبہ کو یہی کہانی سناتے وقت پیش آئے تھے۔ بعض دفعہ مجھے ایکٹنگ بھی کرنی پڑتی تھی۔ میں نے اس دوران میں دیکھا طلبہ یہی کہتے تھے "صاحب بس کیجئے اور وہ کہانی لائیے" اُس روز وقت ختم ہو چکا تھا۔ دوسرے روز اُردو کا رسالہ لے کر جماعت میں داخل ہوا۔ میں نے ایک لفظ بھی طلبہ سے نہیں کہا کہ میرے پاس کونسی کتاب ہے۔ جوں ہی طلبہ کی نظر اس رسالہ پر پڑی بالاتفاق بیک وقت شور ہوا اور تالیاں بجیں "کتاب آگئی" اس کے بعد ایک لڑکا کھڑا ہوا اور اعلان کیا "اگر آپ لوگ اسی طرح شور مچاتے رہیں گے تو ماسٹر صاحب کہانی کس طرح سنائیں گے"؟ سب لڑکے خاموش تھے۔ کہانی سنائی گئی، بچے بہت محظوظ ہوئے۔ اس موقع سے فائدہ اُٹھا کر بچوں سے کہا گیا کہ وہ باغیچہ سے متعلق اسی قسم کی ایک کہانی لکھیں۔ بچوں نے کہانیاں لکھیں اور ایسی لکھیں کہ اُن میں سے چند کہانیاں شائع کئے جانے کے لائق ہیں اس مثال میں دو باتوں پر غور کیجئے (۱) طلبہ کو نہیں معلوم تھا کہ میرے پاس کونسی کتاب ہے مگر بیک وقت سب نے اتفاق کیا کہ یہ وہی کتاب ہے کیوں؟ (۲) لڑکوں نے اپنا ضبط آپ کیوں قائم رکھا؟ (۳) کہانی ختم ہونے کے بعد گھر پر طلبہ نے دلچسپی کے ساتھ اپنی کہانی کیوں بنائی؟ اس کا جواب یقیناً یہی ہوگا کہ طلبہ کا ارادہ مضبوط تھا۔ کتنے ایسے موقعے ہیں جو ہمارے ہاتھ آتے ہیں؟ کتنے ایسے مدرس ہیں جو طلبہ کی نفسیاتی کیفیت سمجھ کر فائدہ اُٹھاتے ہیں؟

ہم تعلیم دینے میں اس بات کا خیال نہیں رکھتے ہیں کہ بچے کا دماغ کس چیز کے قبول کرنے کے لئے تیار ہے۔ کاؤس جی بی والا (اکیڈ پارسی کمپنی) کے متعلق مشہور ہے کہ جب وہ اسٹیج پر نمودار ہوتے تھے تو بیک وقت ہزاروں سامعین چپ ہو جاتے تھے۔ کیوں؟ اس لئے کہ کاؤس جی کوئی ایسی حرکت نہیں کرتے تھے جسے سامعین کا دماغ قبول نہ کرے۔ اگر کاؤس جی والا کے لئے ہزاروں کے مجمع کو ایک اشارہ پر لوٹا دینا اور پھر خاموش کرنا آسان ہے۔ تو ایک مدرس کے لئے دلچسپی کے ساتھ کام کرانا بھی مشکل نہیں ہے۔ شرط یہی ہے کہ وہ بچوں کا دماغی رجحان دیکھتا رہے۔

میں نے ایک دن مکتب میں ایک تصویر آویزاں کی اور بچوں سے کہا کہ جو کچھ وہ اس میں دیکھتے ہیں کاپی پر لکھیں۔ بچے اپنے کام میں منہمک تھے اور میں شیخ الجامعہ صاحب سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکے نے اپنا جملہ پورا کرنے کے لئے کہا "مکان تختہ سیاہ پر لکھ دیجئے"۔ میں نے توجہ نہیں دی۔ اُس نے دوبارہ آواز دی۔ میں ٹال گیا اور گفتگو جاری رکھی، لڑکا اسی طرح سے ضد کرتے ہوئے ہاتھ پیر مارنے لگا جس طرح وہ گھر میں کرتا ہے بالآخر شیخ الجامعہ صاحب نے وہ لفظ "مکان" تختہ سیاہ پر لکھ دیا اور لڑکا اپنے کام میں مشغول ہو گیا۔ اگر میں یہی لفظ کسی اور وقت لکھواتا تو یہ ضروری تھا کہ اُس کا دماغ اُس وقت اسے قبول کر لیتا؟

بچوں کے یہی وہ رجحانات اور یہی وہ مقاصد ہیں جن کے ماتحت آج طریقہ تعلیم میں تبدیلی کرنے کی ضرورت پڑی ہے۔ پروجکٹ طریقہ (مقصدی طریقہ) کو اسی لئے فروغ دیا جا رہا ہے۔ اسے ایک مثال کے ذریعہ یوں واضح کیا جا سکتا ہے کہ میرے نزدیک ابتدائی سوم میں "ہمارے رسول" پڑھانے کا مقصد یہ نہ ہونا چاہیئے کہ بچہ شروع سے آخر تک ترتیب وار آنحضرت کی زندگی سے واقف ہوں (یہ کام تو وہ اگلی جماعتوں میں ہوشیاری اور ترتیب کے ساتھ کر سکتے ہیں) بلکہ بچہ آنحضرت کی زندگی سے وہ باتیں تلاش کرے جو اس کی زندگی سے مطابقت رکھتی ہیں۔ مثال کے طور پر فرض کیجئے بچہ باغیچہ میں کام کر رہا ہے تو اس میں یہ خواہش پیدا کی جائے کہ "ہمارے رسول" سے وہ باتیں ڈھونڈے جس میں آنحضرت صلعم نے اپنا کام آپ کیا ہو، اس سے بچہ سمجھے گا کہ آنحضرت صلعم کی زندگی کا ہماری زندگی سے کس قدر گہرا تعلق ہے۔ ایک اور مثال لیجئے جماعت میں ایک لڑکا مہمان نواز ہے اس کا کوئی واقعہ مدرس کو ایسا ملتا ہے جس سے اُس کی فیاضی ظاہر ہو، لڑکے اُس وقت سیکھ سکتے ہیں کہ آنحضرت صلعم کس طرح فیاضی سے کام لیتے تھے۔ ایک روز میں نے ابتدائی سوم کے بچوں کو جاپان کے بچوں اور بڑوں کی تصویریں (چارٹ میں) دکھلائیں اور اس کے متعلق بات چیت کی مزید معلومات کے متعلق میں نے طلبہ سے کہا کہ وہ "دنیا کے بسنے والے" سے "جاپان کے باشندے" پڑھیں۔ طلبہ اس بیان کو پڑھتے ہوئے چارٹ سے مقابلہ کرتے تھے۔ یہ کام ان کے لئے دلچسپ تھا۔

ایسے کتنے کام ہیں جو ہم بچوں کی رضا جوئی حاصل کئے بغیر سکھلاتے ہیں

اس سے بچوں میں نافرمانی پیدا ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف ان کے دماغی رجحان کا خیال رکھنے سے ان میں فرض شناسی اور دیگر صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ایک دن کا واقعہ ہے کہ طلبہ بورڈ پر کھینچے ہوئے خاکوں کی مدد سے اپنی کتاب کا ٹائیٹل پیج تیار کر رہے تھے، مدرسہ کا وقت ختم ہونے پر اکثر طلبہ چلے گئے دو ایک طالب علم رہ گئے تھے میں نے اُن سے کہا اس وقت بھوک لگی ہوگی یہ کام پھر کر لینا۔ لڑکے اُس وقت تک جانے کیلئے راضی نہیں تھے جب تک کام ختم نہ ہو جائے۔

تعلیم میں بچوں کے غور و فکر کی اہمیت سے کون انکار کرے گا۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیا یہ غور و فکر بچے اس وقت زیادہ کرتے ہیں جب وہ ایک کام کے لئے تیار ہوتے ہیں؟ یا اُس وقت جب اُس کے لئے تیار نہ ہوں۔ پہلی صورت ضروری ہے تو کیوں نہ ہم اس کی طرف توجہ کریں؟ سالانہ تحریری امتحان کے وقت جس میں انھیں غور و فکر کرنے کا موقع دیا گیا تھا میں نے دیکھا کہ بعض نتائج اس سے بہت اچھے مرتب ہوئے ہیں، بعض لڑکوں نے اپنی ذہانت کا استعمال کیا۔ ایک سوال دیا گیا تھا "جماعت میں آج تک تم نے جس قدر مضمون لکھے ہیں ان کی فہرست درج کرو" ایک لڑکے نے فہرست تیار کرنے میں "مدرسہ اور گھر" کے مضامین کو الگ الگ درج کیا۔ ایک اور لڑکے کا کام تو اس سے بھی بڑھ گیا تھا اُس نے مضامین ترتیب دینے میں اس کے بڑے بڑے حصوں یا سرخیوں کے ماتحت اپنے مضامین تقسیم کئے مثلاً خطوط، درخواست، رپورٹ، باغبانی وغیرہ۔ کام چلانے میں جو دشواریاں پیش نظر تھیں اُسے لڑکوں نے بھی تبلایا مثلاً طلبہ نے درخواست کی اگر اُن کے فرق بنا کر الگ الگ کمروں میں مخصوص کر دیا جائے تو مناسب ہوگا۔

ضبط قائم رکھنے کے لئے ہر ایک کمرہ کے آگے بوقت ضرورت "ضرورت" کا تختہ لٹکا دیا جاتا تھا تاکہ اُستاد اُس کمرہ میں پہنچ کر طلبہ کو مدد دے۔ اس طرح سے اُستاد کی تلاش میں طلبہ کا تصادم نہ ہو۔ ضرورت پوری ہونے پر طلبہ کو اجازت تھی کہ ضرورت کا پرچہ نکال لیں۔ بعض طلبہ نے ہر وقت پرچہ لگانے اور نکالنے کو غیر ضروری سمجھا بلکہ اُسے اُسی جگہ آویزاں رکھا البتہ ضرورت کے وقت اس کا رُخ بدل دیتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جب طلبہ کو اپنی ذہانت استعمال کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تو وہ اسے استعمال میں لاتے ہیں۔

اُستاد کا فرض ہے کہ طلبہ کے سامنے ایسے موقعے بہم پہنچائے جو بالآخر اُن کے مقاصد بن جائیں و کام کے اختتام پر بھی جب کبھی اس کا مناسب موقع ملے وہ اُسے بھولے نہیں۔ ابتدائی سوم سے سال بھر میں دو کتابیں بنوائی گئی تھیں۔ جب میں گرمیوں کی چھٹیوں میں ایک طالب علم کے گاؤں میں گیا اور دوران گفتگو میں طالب علم سے پوچھا کہ آج کل کیا مشغلہ ہے کہنے لگا "میرا سفر" کے نام سے ایک کتاب لکھ رہا ہوں، اُس میں اسٹیشن پر خونچہ بیچنے والے کی تصویر ہوگی۔ ہری جھنڈی والا ہوگا" بچوں میں اگر غور و فکر کی عادت ڈالی جائے تو وہ ضرور اپنے پچھلے تجربے کو کام میں لائیں گے۔

ایسے موقعے بہم پہنچانے کا اثر طالب علم کی ذہانت پر بہت زیادہ پڑتا ہے۔ گذشتہ سال ابتدائی سوم میں ایک منظوم قصے کو تصویر کے ذریعہ ظاہر کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ ایک لڑکے نے تصویر سے متعلق اشعار کو تصویر میں مناسب جگہ درج کیا، کسے معلوم تھا کہ ۱۰ سال کا یہ بچہ چغتائی کے خیالات سے مطابقت رکھتا ہے۔

کبھی ہم نے یہ بھی غور کیا ہے کہ ہمارے طلبہ کے مقاصد کب متعین ہوتے ہیں گذشتہ سال کا واقعہ ہے کہ میرے ایک دوست نے الف۔ اے کا امتحان دینے کے بعد ایک روز اپنے مستقبل کا ذکر کیا اور کہا "میں پریشان ہوں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کروں؟ اب مجھے واقعی غور و فکر کے بعد پہلا قدم اُٹھانا چاہیئے۔" دیکھا آپ نے اپنی فکر کا احساس کب ہوا؟ اصلی فکر کب دامن گیر ہوئی؟ طالب علم کے پاس پچھلے تجربات ایسے نہیں جن پر سوچ بچار کر کے اس سے فائدہ اُٹھا سکے؟ کیا اُسے سوچنے اور غور و فکر کرنے کی عادت ڈالی گئی تھی؟ یہ سوال یہاں کیوں پیدا ہوا؟ یہ سوال تو پیدا ہونا چاہیئے تھا پہلی جماعت سے۔ پہلی جماعت سے سوال پیدا ہونے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ لڑکا سوچے کہ مجھے پہلی جماعت میں کیا کرنا ہے اور مستقبل میں کیا کرنا ہے میں بحیثیت مسئلہ کے سوچنے سے مراد نہیں لے رہا ہوں بلکہ کہنا یہ ہے کہ کیا اُسے اس کی عادت ڈالی گئی؟ کیا اُس کے سامنے ایسا مصالحہ پیش کیا گیا جس میں مشکلات پر قابو پانے اور کامیابی حاصل کرنے کی عادت ڈالی گئی ہو؟ کیا اس بارے میں ہمیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔

اب تک میں نے جو کچھ عرض کیا ہے اس کے اعتراضی حصے سے قصداً اجتناب کیا ہے۔ اعتراضات کی فہرست یہ ہو سکتی ہے:-

...کے مختلف مقاصد کو کس طرح پورا کیا جائے؟

(۲) جب طلبہ کے مقاصد مختلف ہوں تو وہ کسی طرح ایک مقصد پر متفق ہو سکتے ہیں؟

(۳) وہ مقاصد جو اُستاد نے سوچے ہیں کیا بچے اُسے قبول کریں گے؟ قبول نہ کرنے کی صورت میں اُستاد کے مقاصد اور بچے کے مقاصد میں جو فرق ہو جاتا ہے اس کا کیا علاج ہے؟

(۴) کیا اس کا امکان نہیں ہے کہ بچوں کا کوئی مقصد محض کھیل یا تماشہ کی صورت اختیار کرے گا؟ اگر ایسا ہے تو اس کا ازالہ کس طرح کیا جا سکتا ہے؟

(۵) پروجکٹ میتھڈ (مقصدی طریقے) سے کیا مقررہ نصاب پورا ہو جاتا ہے؟

(۶) لڑکے اپنے ارادوں سے جو تعلیم حاصل کرتے ہیں کیا اُن کے لئے کافی ہے؟

(۷) بچے کو کس طرح ضرورت محسوس کرائی جا سکتی ہے؟

ان اعتراضات کی حقیقت ایک مدرس بہتر طریقہ سے اُسی وقت سمجھ سکتا ہے جب وہ خود اس میں قدم رکھے لہذا ان کی شرح غیر ضروری ہے اگر ضرورت محسوس ہوئی تو میں حتی الامکان سمجھانے کی کوشش کرونگا۔

پس ہم جیسا دیکھتے ہیں کہ بچوں کا اپنے مقاصد پر کاربند رہنے سے اُن کی دماغی، جسمانی، روحانی نشوونما ہوتی ہے اُن میں سوچ بچار کی عادت پڑتی ہے اُن میں فرض شناسی پیدا ہوتی ہے۔ اُن کی وہ عادات جو زندگی کو بنانے کے لئے ضروری ہیں مضبوط ہوتی ہیں۔ وہ مشکلات کو حل کرنا جانتے ہیں۔ وہ چھوٹے چھوٹے مقاصد کی مدد سے اپنے لئے ایک بڑا مقصد منتخب کر لیتے ہیں جو اُن کی زندگی کو کامیاب بنائے تو پھر ہم کیوں نہ اس کی طرف توجہ دیں۔

ما ز تخلیق مقاصد زندہ ایم
از شعاع آرزو تابندہ ایم

بچوں کی دو کتابیں

(۱) باغبانی پروجکٹ، اور (۲) میلاد النبی پروجکٹ

"پیام تعلیم" کے پڑھنے والے جانتے ہوں گے کہ جامعہ کے مدرسہ تحتانیہ میں چھوٹے بچوں کی تعلیم کے لئے ایک نیا طریقہ عمل میں آیا ہے، جسے انگریزی میں "پروجکٹ میتھڈ" یا جامعہ والے مقصدی طریقہ کہتے ہیں۔

اس طریقہ تعلیم میں یہ ہوتا ہے کہ بچے کسی کام کو بطور مقصد کے متعین کر لیتے ہیں اور پھر اسی کے متعلق معلومات بہم پہنچاتے ہیں۔ اس طرح وہ نہ صرف اس ایک کام کو دلچسپی کے ساتھ کرتے ہیں بلکہ اس کام کے سلسلہ میں مختلف مضامین کی باتیں بھی سیکھتے جاتے ہیں۔ زیر نظر کتب کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس طریقہ کے مطابق لڑکوں نے دو کام اپنے پیش نظر رکھے تھے جنہیں انھوں نے ایک مقررہ مدت کے اندر پورا کیا اور اس طرح اردو، جغرافیہ، تاریخ، حساب دینیات اور عام معلومات کی وہ سب ضروری باتیں جو انھیں معلوم ہونی چاہئیں انھوں نے حاصل کیں،

اول الذکر کتاب میں بچوں نے گزشتہ سال "باغبانی" کے کام کو اپنا مقصد بنا کر کام کیا اور اس سلسلہ میں موسمی ترکاریوں اور پھولوں کے متعلق ان کے بونے اور پانی دینے کا طریقہ اور وقت بیج اور کھاد کے متعلق ضروری معلومات یہ سب باتیں بچوں نے حاصل کیں۔

اسی طرح امسال ایک مخصوص دن میں "میلاد النبی" کی تقریب منانے کے مقصد کو مقرر کر کے ابتدائی چہارم کے لڑکوں نے آپ کے وطن مالوف اور آپ کی حیات طیبہ سے متعلق جتنے معلومات ممکن ہو سکتے تھے، وہ انھوں نے فراہم کئے۔ مثلاً نقشہ میں عرب کا ملک اور اس کے وہ بڑے شہروں کا جائے وقوع، ہندوستان سے عرب جانے کے راستے اور پرانے اور موجودہ سفر کے طریقے، پھر اس کے بعد آپکی سیرت پاک سے متعلق بچوں کے لائق جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں ان کے نام اور پتے، سیرت کی کتابوں سے ایسے واقعات کا انتخاب جو بچوں کی زندگی سے خاص تعلق رکھتے ہوں وغیرہ وغیرہ۔ غرض یہ کتابیں نہ صرف ایسی ہیں کہ لوگ اس طریقہ اور نہج پر بچوں کی ابتدائی تعلیم کا کام شروع کریں بلکہ بذات خود بھی مطالعہ کے قابل ہیں ہر دو کتابیں مکتبہ جامعہ سے مل سکتی ہیں۔ قیمت فی کتاب ۰ر

نبیوں کے قصے

مُصَنَّفہُ

جناب خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی اُستاذ جامعہ

حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام نبیوں کے حالات
لکھے ہیں کتاب چونکہ خاص طور پر بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے زبان بڑی
صاف اور شیریں ہے. مسلمان بچے عام طور پر انبیاء کرام کے حالات سے ناواقف
رہتے ہیں کیونکہ اُن کے لائق ایسی دلچسپ کتابیں موجود نہیں جنہیں وہ شوق سے
پڑھ سکیں۔ نبیوں کے قصے بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

قیمت صرف چھ آنے

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، دہلی



پیامِ تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
دسمبر اول
۱۹۷۱

طابع وناشر:۔ ڈاکٹر سید عابد حسن صاحب۔ ایم اے۔ پی ایچ ڈی ۔۔۔ ۔۔۔

حماعہ اطفوں کا ایک بہت پیارا
بحیرہ داد هی

مصور مکتب کا ایک بچہ
عمر چار سال





بچوں کا انصاف

جامعہ کے بچوں نے گذشتہ سال ایک ڈراما کیا تھا جس کا ایک منظر ہارون الرشید کا دربار اس تصویر میں دکھایا گیا هی- ڈرامی کا پلاٹ وہ مشہور قصہ هی جس میں حسن خواجہ نامی ایک بغدادی سوداگر نے اپنی ایک دوست کی ہزار اشرفیاں خیانت کر لی تھیں اور جس کی مقدمہ کا فیصلہ ہارون الرشید نے بچوں کی ایک کھیل سے سبق لیکر کیا



ذاکٹر عبدالکریم گرمانس

مسلمان هونی کی بعد هندوستانی لباس میں



ذاکٹر جولیس گرمانس معه بیگم صاحبه

مسلمان هونی سی پهلی یورپین لباس میں

قیمت سالانہ
ڈھائی روپئے
(عہ)

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
دو آنے
(۲/)

جلد ۱۱ | یکم دسمبر سنہ ۱۹۳۱ع | نمبر ۳

فہرست مضامین

(۱) یہ مضمون یکم نومبر کے پرچے میں غلطی سے ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب کے نام سے چھپ گیا تھا، حالانکہ اس کی اصل مضمون نگار "رقیہ ریحانہ" صاحبہ ہیں۔ امید ہے کہ ہر دو صاحبان اس نادانستہ غلطی پر ہمیں معاف فرمائیں گے۔

دنیا میں کیا ہو رہا ہے



یہاں ابھی چین اور جاپان میں لڑائی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ بات اصل یہ ہے کہ منچوریا کے لوگوں نے جاپانی مال کا بائیکاٹ کر دیا تھا اور کچھ ایسی باتیں کی تھیں جو جاپان کو ناگوار گزریں اس پر جاپان نے چین پر حملہ بول دیا۔ چین بیچارا باوجود اتنا بڑا ملک ہونے کے آپس کی نااتفاقی سے خود کچھ نہ کر سکا اور اس نے دوسری بڑی بڑی سلطنتوں سے مدد طلب کی۔ یہ کہئے انکو اور لیگ آف نیشنز کے بیچ میں پڑنے سے بیچ بچاؤ ہو گیا۔ ورنہ کتنوں کی جانیں جاتیں اور کتنا نقصان ہوتا!

آج کل پنجاب کے مسلمانوں میں کشمیر کے معاملہ پر بہت جوش و خروش پھیلا ہوا ہے۔ کوئی ۱۲ ہزار آدمی کے قریب جیل جا چکے ہیں۔ بات یہ ہے کہ کشمیر میں مسلمانوں کی حالت نہایت خراب اور ناگفتہ بہ ہے جس کی اصلاح کا یہ لوگ حکومت سے مطالبہ کر رہے ہیں۔ آج کل مہاراجہ کشمیر بھی اسی غرض سے دہلی آئے ہوئے ہیں

گزشتہ کچھ عرصے سے یہاں ایک گول میز کانفرنس ہو رہی ہے جس میں ہندوستان کے بڑے بڑے لوگ اس غرض سے شریک ہوئے ہیں کہ انگریزوں سے اپنے ملک کی آزادی حاصل کریں مگر گزشتہ ہفتہ کی کارروائیوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندو مسلمانوں کے جھگڑے کا سوال اٹھا دیا گیا جس سے کانفرنس بے نتیجہ ختم ہو رہی ہے اور لوگ ناکام واپس آ رہے ہیں۔

باتصویر معما یہ ایک باتصویر کہانی ہے جو طالب علم اسے عبارت میں صحیح اور پورے طور پر حل کر کے بھیجے گا اسے بچوں کی کتابوں کا ایک نہایت مفید سٹ بطور انعام کے دیا جائے گا۔ جواب ۲۰ دسمبر تک آجانا چاہیئے جس کا نتیجہ یکم جنوری کے پرچہ میں شایع کر دیا جائے گا۔

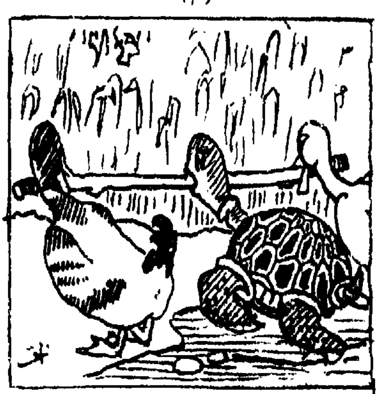
(۱)



(۲)



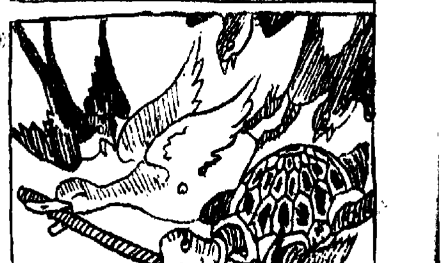
(۴)



(۳)



(۵)



(۶)



اسلام کی صداقت

ڈاکٹر عبدالکریم گرانس صاحب نے اپنے اعلانِ اسلام کے عظیم الشان جلسے میں جو جامع مسجد دہلی میں منعقد ہوا تھا، اسلام کی صداقت پر عربی میں ایک چھوٹی سی تقریر کی تھی جس کا یہ ترجمہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ (مدیر)

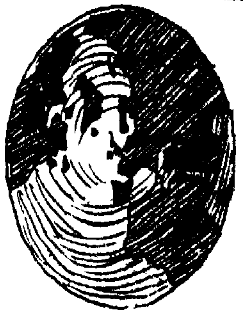
محترم بزرگو! السلام علیکم۔ میں اس عظیم الشان مسجد میں بآوازِ بلند یہ کہنے کے لئے حاضر ہوا ہوں، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ میرا دل اور میری روح اس موقع کی عظمت اور اہمیت کو پوری طرح محسوس کر رہی ہے۔ جس میں مجھ کو یہ شرف حاصل ہوا ہے کہ آپ جیسے متقی اور پرہیزگار علمائے دین کے سامنے اپنے اسلام اور اعتقاد کا اظہار کروں۔

تمام نوعِ بشر بالعموم اور عرب بالخصوص مدتوں سے اپنے جزیرے میں جہالت اور فسق و فجور میں مبتلا تھے۔ ایک ایسے بشیر و نذیر پیغمبر کا انتظار تھا جو لوگوں کو ضلالت کے راستے سے ہدایت کی سیدھی راہ پر پہنچا دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس گم کردہ راہ گروہ کے ایک شخص کو اس کام کے لئے چنا اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا رسول بنایا اور اس وحی سے آپ کو مشرف کیا جو بیشتر اور نبیوں کو عطا ہو چکی تھی۔ انسان کی تاریخ میں آپ کی عظیم الشان کرامت کو اللہ تعالیٰ نے جس طرح ظاہر کیا، فرماتا ہے۔ اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى وَوَجَدَكَ ضَآلًّا فَهَدٰى وَوَجَدَكَ عَآئِلًا فَاَغْنٰى۔

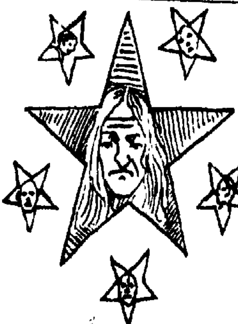
اس یتیم بے مایہ رسول نے کیا کیا؟ تھوڑی سی مدت میں زمین کی کایا پلٹ دی۔ تمام تاریکیوں کو کافور کر دیا، آفتابِ صداقت کا اجالا ہر طرف پھیلا دیا۔ باوجود قریش کے حسد اور بت پرستوں کی سخت مقابلے اور مخالفت کے جو ان کو اپنے نقصانِ تجارت اور عرب کے جاہل بدوؤں پر اپنے غلبے کے مٹ جانے کے اندیشے سے تھی۔ کیا یہ غیر معمولی فلاح و کامیابی اس بات کی کھلی دلیل نہیں کہ آپ کو خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے مبعوث فرمایا اور اپنی وحی عطا کی تاکہ آپ انسانوں کی ہدایت کریں، اور ان کے درجہ کو اس وحشت و جہالت کی حالت سے بلند کریں، جس نے انسانیت کو تقریباً پامال کر دیا تھا۔ یہ کیسی کرامتِ الٰہی ہے کہ جو عرب آپ کی دعوت کے سخت ترین دشمن تھے، وہی دس سال سے بھی کم مدت میں ایسے مومن مخلص بن گئے کہ انھوں نے دینِ مبین کو اپنا شعار بنایا اور دنیا کے دور ترین حصوں میں اس کو پہنچا دیا۔ اس کامیابی کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے دعوتِ اسلام کے ساتھ ہی کیا تھا تاکہ جھوٹے اور سچے نبی کو پرکھ لیا جائے، لہٰذا یہی سب سے بڑی علامت ہے کہ آپ نے جو کچھ اپنے رب کے نام سے فرمایا سب سچ تھا۔ عربوں نے اس دین کے ذریعے ایک کامل شریعت اور ایک ایسی تہذیبِ اسلامی کی نشر و اشاعت کی جس کی مثال قطعاً پہلے موجود نہ تھی۔ اس تہذیب نے تمام بڑی بڑی تہذیبوں کو جو غفلت و نسیان کی قبروں میں دفن ہو چکی تھی، دوبارہ زندہ کیا اور علم و معرفت کی تمام شاخوں میں نئے نئے افکار کو پیدا کیا۔ اس لئے کہ تعلیم و تعلم اور اشیاء کے اسباب کی معرفت اسلام کے خاص خصوصیات میں سے ہے۔ مسلمانوں نے علوم، فنون، صنائع اور حیاتِ اجتماعی میں وہ بڑے بڑے حقائق ظاہر کئے جن کی وجہ سے تمام ممالکِ اسلامی انسانیت کی تکمیل کے لئے درسگاہِ عظیم بن گئے ایسے زمانے میں جب کہ اور ممالک میں بالکل اندھیرا تھا۔

میں نے عرصے سے اسلام کی اس جامعیت و کمال کے اسرار و اسباب کی تلاش میں یہ معلوم کیا ہے کہ وہ اصلی روح جس سے دینِ اسلام کے تمام مظاہرِ حیات میں ایک حرکت پیدا ہے وہ درحقیقت وہ الہام ہے جس کی بدولت یہ وحشت و جہالت اللہ تعالیٰ کی بندگی اور حیاتِ دنیاوی کے تمدن اور حیاتِ اخروی کے ثواب میں تبدیل ہو گئی۔ انسان جب کسی اعتقاد کو اختیار کرتا ہے تو اس کے لئے یہی کافی نہیں کہ وہ اس کو اپنے دل میں جگہ دے اور اپنے اعمال سے اس کی تصدیق کرے۔ بلکہ اس کو دوسروں کے کانوں تک بآوازِ بلند پہنچانا بھی چاہئے تاکہ ان کو بھی ترغیب ہو۔ اسلام نام ہے عقیدے اور اعمال کا، وہ اعمال اور عقائد جو نمونہ ہوں اپنے بھائیوں کے لئے، جو ان کی زندگی میں ایک ایسی قوت پیدا کر دیں جو حق کو باطل پر غالب کر دے انسانیت کو شک کی تاریکیوں سے نجات عطا کرے اور لوگوں کو سیدھے راستے کی ہدایت دے۔

میرے بزرگو! یہ ہیں وہ باتیں جو اسلام کی جانب (دیکھئے صفحہ ۶)



آدمی کی کہانی ایک ستارے کی زبانی



شام ہوئی سب تارے منہ ہاتھ دھوکر اور بن سنور کر تیار ہوئے۔ ایک نے کہا "چلو ذرا دنیا والوں کا تماشہ ہی دیکھیں"۔ مگر وہی چھوٹا سا سمجھ دار ستارہ جسے تم جانتے ہو کہنے لگا "ہم تماشہ وماشہ نہیں دیکھتے۔ ہم تو کہانی سنیں گے۔ جانتے ہو نہیں کہ یہ دنیا والے ہیں کون" اور چلے تماشہ دیکھنے!" دو تین تارے اور بھی اس کی طرف سے بولے، اور پھر تو سب نے یہی کہا کہ "چلو نانی اماں سے وہی آدمی والی کہانی سُنیں"۔

سب نانی اماں کے پاس پہنچے اور لگے کہنے "نانی اماں کہانی، نانی اماں کہانی"۔ نانی نے کہا "بیٹا، سنبھل کے بیٹھو۔ ذرا دم تو لینے دو۔ میں تو کہہ ہی چکی ہوں کہ روز تمھیں تھوڑا تھوڑا حال ان دو ہاتھوں دو پاؤں والوں کا سنایا کروں گی۔ پھر یہ بے صبری کیوں ہے؟"۔ سب نے کہا "اچھا تو کہئے"۔

نانی اماں بولیں "ہاں تو میں نے قصہ کہاں تک کہا تھا؟" ایک تارے نے جواب دیا "نانی اماں آپ یہ کہہ رہی تھیں کہ دودھ پلانے والے جانوروں میں ایک عقل اور یقین کی وجہ سے اوروں سے بہت بڑھ گیا اور یہی آدمی ہے۔ مگر یہ تو بتایئے کہ بڑھ چڑھ کر ان حضرت نے کیا کیا؟"۔ "ہاں ہاں"

نانی اماں نے کہا "اب یہی بتاتی ہوں۔ سنو"

"پہلے تو اوروں سے بڑھنے چڑھنے پر بھی اس کا حال بڑا خراب تھا۔ میں تو جب وہ حالت یاد کرتی ہوں تو ہنسی آنے لگتی ہے۔ یہ باتیں کرنا چاہتا تھا مگر باتیں کرنے کا سلیقہ نہ تھا۔ عجیب طرح سے غوں غوں کرتا اور اشاروں سے کام لیتا تھا۔ البتہ اسی وقت سے پتہ چلتا تھا کہ اس کے اندر کچھ بھرا پڑا ہے جسے ظاہر کرنا چاہتا ہے، مگر اس کی صورت نہیں جانتا، لیکن بیٹا جس کے اندر کچھ ہوتا ہے وہ اس کے اظہار کی تدبیر بھی کر ہی لیتا ہے، ویسے کے ویسے تو وہی رہتے ہیں جو اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ ہر کام ہاتھوں سے کرنا چاہتا اور اپنی انگلیوں کو لہو لہان کر لیا کرتا تھا۔ کپڑے لتے نصیب نہ تھے۔ یونہی ننگا ڈلا پھرا کرتا تھا، کھانا اسے پکانا نہ آتا تھا پھل پھلاری اور کچے گوشت پر پیٹ پالتا تھا۔ عقل اس کی دوسروں سے تیز تھی مگر ہاتھ پاؤں نہ تو اور جانوروں کی طرح مضبوط رہے تھے نہ ان میں وہ پھرتی تھی، اس سے شروع شروع میں دوسروں سے اسے اچھا خاصہ نقصان پہنچ جاتا تھا۔ مگر ہوتے ہوتے اس کی عقل نے اسے تدبیریں سجھائیں۔ اسے جو کچھ قدرت نے دیا تھا اس میں اس نے تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اپنے کام کا بنانا شروع کیا اور اس ترمیم کو تمدن یا تہذیب کہتے ہیں جو دنیا میں بس اسی جاندار کو نصیب ہوئی ہے۔ ورنہ باقی تو جیسے پیدا ہوئے ویسے ہی رہتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ اپنی طرف سے اپنی زندگیوں میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتے۔

اس آفت کے پرکالے نے تو اپنی عقل اور اپنے یقین کے زور پر زندگی کا رنگ ہی بدل دیا۔ غوں غوں کرتے کرتے یہ لگا لفظ بولنے۔ چیزوں کے نام لینے۔ اپنے اندر کے خیال دوسروں پر ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ادا کرنے۔ اس کی انگلیوں سے لہو بہا تو اس نے یہ نہ کیا کہ کام چھوڑ دے، چھوڑتا تو مٹ نہ جاتا، جو کام چھوڑتا ہے اس کے لئے دنیا میں جگہ نہیں ہے۔ اس نے کیا یہ کہ اپنے ہاتھوں کو بچانے کے لئے اوزار اور آلات بنائے۔

سے نہیں یاد کیا تھا، لیکن اس کے دل میں معلوم ہوتا تھا کسی نے کوک بھر دی ہے۔ اور اس کا ذہن بھی صاف آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے استاد کے سوالوں کا نہایت تیزی سے جواب دیا، اور سب کو حیرت ہونے لگی کہ اس میں اتنی ذہانت یکبارگی کہاں سے آگئی ہے۔ پھر جب وہ گھر پہنچا تو اس کی طبیعت اور بھی زیادہ خوش ہوئی۔ اس کے کمرے میں گرد کا نام نہیں تھا، میز پر ایک صاف چادر بچھی تھی، کرسیوں پر گدے رکھے تھے، الماری پر پردہ پڑا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھ کر تعجب سے پلکیں جھپکانا شروع ہی کیا تھا کہ فاطمہ جو کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی دوڑ کر اس سے لپٹ گئی۔ باقی دن پیار محبت میں گزرا، شام کو دونوں خوب مزے سے ساتھ کھیلے، اور رات کو دونوں ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے کھانا کھانے کو آئے۔ باپ محبت کا یہ جوش دیکھ کر مسکرایا اور کہا:

"اچھا بھائی، تم دونوں میں میل ہو گیا، اس سے تو ہم کو بہت خوشی ہوئی، مگر کھانا کھا لو تو ہم تم سے ذرا بحث کریں گے۔"

کھانے کے بعد باپ نے پھر پہلے کی طرح فاطمہ کو گود میں بٹھایا اور رحیم الدین کو پاس بلا کر اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اب لڑائی نہیں تھی، اس لئے دونوں میں سے کسی سے نچلا نہیں رہا جاتا تھا، کبھی رحیم الدین فاطمہ کو گدگداتا، کبھی وہ اس کے چٹکی لیتی۔ پھر باپ نے باتیں چھیڑ دیں۔

"بھئی دیکھو، ہم تم سے پچھلی بار کچھ کہہ چکے ہیں، وہ تمھیں یاد ہے؟"

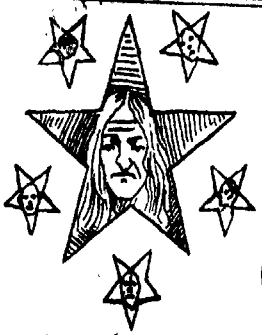
فاطمہ اور رحیم الدین دونوں کو اس کی باتیں یاد تھیں، مگر ان کے ساتھ انھیں اپنی لڑائی بھی یاد آتی تھی، دونوں اپنے جی میں سمجھتے تھے کہ ہم نے بہت بڑی حماقت کی ہے، وہ چاہتے تھے کہ لڑائی کا سارا قصہ بھول جائیں [illegible] کے ساتھ باپ کی نصیحت بھی، اس لئے جب باپ نے یہ سوال کیا [illegible] اور کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر باپ کو اس کا خیال تھا کہ ان [illegible] اور چھوٹی چھوٹی رنجشوں کی وجہ سے ان کے دلوں سے [illegible] کی محبت جاتی رہے۔ اس نے پھر وہی سوال کیا اور جب دونوں خاموش رہے تو اس نے کہا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہے ہو۔ جب تک تم میں لڑائی تھی اس وقت تم میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ دوسرے نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے، لیکن اب میل ہو گیا تو تم کو تعجب ہوتا ہے کہ تم آخر لڑے کس بات پر تھے۔ اور میں تم سے پوچھتا ہوں تو تم جواب دیتے ہوئے شرماتے ہو جیسے کوئی اپنی غلطی یا حماقت پر شرماتا ہو۔ اب میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے یہ غلطی اور حماقت کیوں کی، اور اگر تم بھی میرے ساتھ مل کر اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرو تو تم میں پھر لڑائیاں نہ ہوں گی۔ اچھا فاطمہ، تم یہ بتاؤ، تم آج زیادہ خوش رہی ہو یا کل؟"

فاطمہ اس طرح ہنسی کہ گویا یہ سوال کرنا بالکل فضول تھا، اور کسی کو ایسی بات کا جواب نہ معلوم ہو تو خدا اس پر رحم کرے۔ وہ تو بہت بیوقوف ہوگا۔ اس لئے وہ ہنسی اور ہنس کر رہ گئی۔ باپ نے کہا:

"خیر، تمھارے ہنسنے ہی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ تم آج زیادہ خوش ہو۔ اور میں اب تم سے ایسے سوال نہیں کروں گا، نہیں تو تم میرے اوپر ہنسو گی اور سمجھو گی کہ میں بڑا بیوقوف ہوں۔ اچھا تم سے ایک ذرا زیادہ مشکل سوال پوچھتا ہوں اب تم بتاؤ کہ رحیم الدین نے تمھیں اپنی کتاب نہیں دکھائی تو تمھیں برا کیوں معلوم ہوا؟"

(باقی)



آدمی کی کہانی ایک ستارے کی زبانی



شام ہوئی سب تارے منہ ہاتھ دھوکر اور بن سنور کر تیار ہوئے۔ ایک نے کہا "چلو ذرا دنیا والوں کا تماشہ ہی دیکھیں"۔ مگر وہی چھوٹا سا بھورا ستارہ جسے تم جانتے ہو کہنے لگا "ہم تماشہ وماشہ نہیں دیکھتے۔ ہم تو کہانی سنیں گے۔ جانتے ہو یہیں کہ یہ دنیا والے ہیں کون، اور چلے تماشہ دیکھنے!" دو تین تارے اور بھی اس کی طرف سے بولے، اور پھر تو سب نے یہی کہا کہ "چلو نانی اماں سے وہی آدمی والی کہانی سنیں"۔

سب نانی اماں کے پاس پہنچے اور لگے کہنے "نانی اماں کہانی، نانی اماں کہانی"۔ نانی نے کہا "بیٹا، سنبھل کے بیٹھو۔ ذرا دم تو لینے دو۔ میں تو کہہ ہی چکی ہوں کہ روز تمھیں تھوڑا تھوڑا حال ان دو ہاتھوں، دو پاؤں والوں کا سنایا کروں گی۔ پھر یہ بے صبری کیوں ہے؟" سب نے کہا "اچھا تو کہئے"۔ نانی اماں بولیں "ہاں تو میں نے قصہ کہاں تک کہا تھا؟" ایک تارے نے جواب دیا "نانی اماں آپ یہ کہہ رہی تھیں کہ دودھ پلانے والے جانوروں میں ایک عقل اور یقین کی وجہ سے اوروں سے بہت بڑھ گیا اور یہی آدمی ہے۔ مگر یہ تو بتائیے کہ پھر بڑھ کر ان حضرت نے کیا کیا؟" "ہاں ہاں" نانی اماں نے کہا "اب یہی بتاتی ہوں، سنو"۔

"پہلے تو اوروں سے بڑھنے چڑھنے پر بھی اس کا حال بڑا خراب تھا۔ میں تو جب وہ حالت یاد کرتی ہوں تو ہنسی آنے لگتی ہے۔ یہ باتیں کرنا چاہتا تھا مگر باتیں کرنے کا سلیقہ نہ تھا۔ عجیب طرح سے غوں غوں کرتا اور اشاروں سے کام لیتا تھا۔ البتہ اسی وقت سے پتہ چلتا تھا کہ اس کے اندر کچھ بھرا پڑا ہے جسے ظاہر کرنا چاہتا ہے، مگر اس کی صورت نہیں جانتا، لیکن بیٹا جس کے اندر کچھ ہوتا ہے وہ اس کے اظہار کی تدبیر بھی کر ہی لیتا ہے، ویسے کے ویسے تو وہی رہتے ہیں جو اندر سے خالی ہوتے ہیں۔ ہر کام ہاتھوں سے کرنا چاہتا اور اپنی انگلیوں کو لہولہان کر لیا کرتا تھا۔ کپڑے لتے نصیب نہ تھے۔ یونہی ننگا ڈلا پھرا کرتا تھا، کھانا اسے پکانا نہ آتا تھا۔ پھل پھلاری اور کچے گوشت سے پیٹ پالتا تھا۔ عقل اس کی دوسروں سے تیز تھی مگر ہاتھ پاؤں نہ تو اور جانوروں کی طرح مضبوط رہے تھے نہ ان میں وہ پھرتی تھی، اس سے شروع شروع میں دوسروں سے اسے اچھا خاصہ نقصان پہنچ جاتا تھا۔ مگر ہوتے ہوتے اس کی عقل نے اسے تدبیریں سجھائیں۔ اسے جو کچھ قدرت نے دیا تھا اس میں اس نے تھوڑی بہت تبدیلی کر کے اپنے کام کا بنانا شروع کیا اور اس ترمیم کو تمدن یا تہذیب کہتے ہیں جو دنیا میں بس اسی جاندار کو نصیب ہوئی ہے۔ ورنہ باقی تو جیسے پیدا ہوئے ویسے ہی رہتے ہیں اور مر جاتے ہیں۔ اپنی طرف سے اپنی زندگیوں میں کچھ تبدیلی نہیں کر سکتے۔

اس آفت کے پرکالے نے تو اپنی عقل اور اپنے یقین کے زور پر زندگی کا رنگ ہی بدل دیا۔ غوں غوں کرتے کرتے یہ لگا لفظ بولنے۔ چیزوں کے نام لینے۔ اپنے اندر کے خیال دوسروں پر ٹوٹے پھوٹے لفظوں میں ادا کرنے۔ اس کی انگلیوں سے لہو بہا تو اس نے یہ نہ کیا کہ کام چھوڑ بیٹھے چھوڑتا تو مٹ نہ جاتا، جو کام چھوڑتا ہے اس کے لئے دنیا میں جگہ نہیں ہے۔ اس نے کیا یہ کہ اپنے ہاتھوں کو بچانے کے لئے اوزار اور آلات بنانے

سے نہیں یاد کیا تھا، لیکن اس کے دل میں معلوم ہوتا تھا کسی نے کوک بھر دی ہے، اور اس کا ذہن بھی صاف آئینے کی طرح چمک رہا تھا۔ اس نے استاد کے سوالوں کا نہایت تیزی سے جواب دیا، اور سب کو حیرت ہونے لگی کہ اس میں اتنی ذہانت یکبارگی کہاں سے آگئی ہے۔ پھر جب وہ گھر پہنچا تو اس کی طبیعت اور بھی زیادہ خوش ہوئی۔ اس کے کمرے میں گرد کا نام نہیں تھا، میز پر ایک صاف چادر بچھی تھی، کرسیوں پر گدے رکھے تھے، الماری پر پردہ پڑا تھا۔ اس نے یہ منظر دیکھ کر تعجب سے پلکیں جھپکانا شروع ہی کیا تھا کہ فاطمہ جو کمرے کے ایک کونے میں کھڑی تھی دوڑ کر اس سے چمٹ گئی، باقی دن پیار محبت میں گزرا، شام کو دونوں خوب مزے سے ساتھ کھیلے، اور رات کو دونوں ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے کھانا کھانے کو آئے۔ باپ محبت کا یہ جوش دیکھ کر مسکرایا اور کہا:

"اچھا بھائی، تم دونوں میں میل ہوگیا، اس سے تو ہم کو بہت خوشی ہوئی، مگر کھانا کھا لو تو ہم تم سے ذرا بحث کریں گے۔"

کھانے کے بعد باپ نے پھر پہلے کی طرح فاطمہ کو گود میں بٹھایا اور رحیم الدین کو پاس بلا کر اس کے گلے میں ہاتھ ڈال دیا۔ اب لڑائی نہیں تھی، اس لئے دونوں میں سے کسی سے نچلا نہیں رہا جاتا تھا، کبھی رحیم الدین فاطمہ کو گدگداتا، کبھی وہ اس کے چٹکی لیتی۔ پھر باپ نے باتیں چھیڑ دیں۔

"بھئی دیکھو، ہم تم سے پچھلی بار کچھ کہہ چکے ہیں، وہ تمھیں یاد ہے؟"

فاطمہ اور رحیم الدین دونوں کو اس کی باتیں یاد تھیں، مگر ان کے ساتھ انھیں اپنی لڑائی بھی یاد آتی تھی، دونوں اپنے جی میں سمجھتے تھے کہ ہم نے بہت بڑی حماقت کی ہے، وہ چاہتے تھے کہ لڑائی کا سارا قصہ بھول جائیں اور اس کے ساتھ باپ کی نصیحت بھی، اس لئے جب باپ نے یہ سوال کیا تو وہ بہت جھینپے اور کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر باپ کو اس کا خیال تھا کہ ان میں پھر لڑائی نہ ہو اور چھوٹی چھوٹی رنجشوں کی وجہ سے ان کے دلوں سے [illegible] جب باپ نے پھر یہی سوال کیا اور جب

دونوں خاموش رہے تو اس نے کہا:

"مجھے معلوم ہے کہ تم میرے سوال کا جواب کیوں نہیں دے رہی ہو جب تک تم میں لڑائی تھی اس وقت تم میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ دوسرے نے اس کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے، لیکن اب میل ہوگیا تو تم کو تعجب ہوتا ہے کہ تم آخر لڑے کس بات پر تھے۔ اور میں تم سے پوچھتا ہوں تو تم جواب دیتے ہوئے شرماتے ہو جیسے کوئی اپنی غلطی یا حماقت پر شرماتا ہو۔ اب میں تم کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ تم نے یہ غلطی اور حماقت کیوں کی، اور اگر تم بھی میرے ساتھ مل کر اس کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کرو تو تم میں پھر لڑائیاں نہ ہوں گی۔ اچھا فاطمہ، تم یہ بتاؤ، تم آج زیادہ خوش رہی ہو یا کل؟"

فاطمہ اس طرح ہنسی کہ گویا یہ سوال کرنا بالکل فضول تھا، اور کسی کو ایسی بات کا جواب نہ معلوم ہو تو خدا اس پر رحم کرے۔ وہ تو بہت بیوقوف ہوگا۔ اس لئے وہ ہنسی اور ہنس کر رہ گئی۔ باپ نے کہا:

"خیر، تمھارے ہنسنے ہی سے مجھے معلوم ہوگیا کہ تم آج زیادہ خوش ہو۔ اور میں اب تم سے ایسے سوال نہیں کروں گا، نہیں تو تم میرے اوپر ہنسو گی اور سمجھو گی کہ میں بڑا بیوقوف ہوں۔ اچھا تم سے ایک ذرا زیادہ مشکل سوال پوچھتا ہوں اب تم بتاؤ کہ رحیم الدین نے تمھیں اپنی کتاب نہیں دکھائی تو تمھیں برا کیوں معلوم ہوا؟"

(باقی)

ڈاکٹر سن یت سین
جمہوریت چین کا بانی

گزشتہ اشاعت میں یہ ذکر تھا کہ سن یت سین نے کس طرح اپنا رازدار اور ہم خیال تلاش کیا۔ اس نمبر میں یہ بتایا جائے گا کہ اس نے انقلاب کی کیا کیا تدبیریں اختیار کیں۔ (مدیر)

ہوا ہان مین اور سن یات سین کے درمیان یہ بات ہو رہی تھی کہ دفعتہً باہر سے کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ کھٹکھٹانے کی آواز سُن کر دونوں خاموش ہوگئے اور ان کے دلوں میں یہ تشویش پیدا ہوئی کہ باہر کسی کو خبر تو نہیں ہوگئی ہے ...... اتنے میں باہر کے آدمی نے اور زور سے دروازہ کھٹکھٹایا جس کی وجہ سے دونوں کے ہوش و حواس جاتے رہے۔ ان کو یقین ہوگیا کہ اسوقت ان کی خیر نہیں ہے۔ باہر والا ضرور کوئی پولیس کا آدمی ہے، جو ان دونوں کو گرفتار کرنے کے لئے آیا ہے۔ اگرچہ دونوں اس تذبذب کی حالت میں تھے، پھر بھی انہوں نے اپنے آپ کو سنبھالا اور یہ سوچنے لگے کہ اگر ہم نے دروازہ نہیں کھولا تو اور بُرا ہوگا، کیونکہ ممکن ہے کہ باہر والا پولیس کا آدمی نہو بلکہ کوئی اور شخص ہو جو کسی خاص کام سے آیا ہو۔ دروازہ نہ کھولنے سے اس کے دل میں یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ہم دونوں کسی خاص کام میں مشغول ہیں۔ آخر سن یت سین نے مردانہ قدم اٹھایا اور دروازہ کے پاس جاکر بلند آواز سے پوچھا، "کون ہے"؟ "تانگ یان کائی[1]" باہر والا شخص بولا۔

اس جواب نے سن یت سین کی تشویش کو کسی قدر دور کردیا، کیونکہ تانگ یانکائی بھی ایک باہمت، اور مستقل مزاج نوجوان تھا جو سن یت سین کے خاص دوستوں میں سے تھا، پھر بھی سن یت سین کو یہ ڈر لگا ہوا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تانگ یانکائی اس کا ہم خیال نہ ہو، اور ان کی خفیہ باتوں کو معلوم کر کے باہر مشہور کردے۔

سن یت سین نے حتی الامکان اپنے اس خیال کو دبایا، اور بے جھجک، جھٹ سے دروازہ کھول دیا۔

جب تانگ یان کائی سن یت سین کے کمرہ میں داخل ہوا اور ہوا ہان مین کو وہاں پایا، تو وہ بہت متعجب ہوا، اور اس کو حیرت کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔ ہوا ہان مین بالکل خاموش تھا اور اس کی زبان سے کوئی بات نہ نکلی، مگر آنکھوں کے اشارہ سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ سن یت سین اس وقت تانگ یانکائی سے کسی چیز کے متعلق گفتگو کرے گا۔ چند منٹ کے بعد آخر سن یت سین نے مہر سکوت کو توڑ دیا اور تانگ یانکائی سے یوں ہم کلام ہوا۔

سن یت سین: "بھائی، ہم دونوں اسوقت یہاں جمع ہو کر ایک اہم مسئلہ پر غور کر رہے ہیں ......

تانگ یانکائی (بات کاٹ کر) کیا اہم مسئلہ ہے، ذرا میں بھی سنوں۔

[1] Tan Yan Kai

سن یت سین:- تم معلوم کرکے کیا کروگے؟

تانگ یانکائی:- کیا کروں گا؟ تم کو مشورہ دوں گا!

سن یت سین:- لیجئے بڑے مشورہ دینے والے ہیں!

تانگ یانکائی:- فضول باتیں نہ کرو۔ اگر تم نے مجھکو اپنی زبان سے یہ نہ بتایا، تو میں تمہارے دل میں گھُس کر معلوم کرلوں گا۔

سن یت سین کا منشا یہ تھا کہ ایسے طریقہ سے اپنے رازدار اور ہم خیال اشخاص پیدا کرے جس سے لوگ اس کی طرف سے بدگمان نہ ہوں، اور انقلاب کے کاموں میں ان سے پوری مدد مل سکے۔ چنانچہ جب تانگ یان کائی اس کے کمرہ میں پہنچا، تو اس کا دل ٹٹولنے کے لئے سن یت سین اس سے اس طرح کہنے لگا:-

سن یت سین:- اچھا۔ تانگ یانکائی، سنو اس وقت میں اور ہوہان مین اس بات پر غور کررہے ہیں کہ جاپان نے ہمارے بادشاہ کو شکست دیدی، اور بہت سا ملک چھین لیا۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے۔ ہمارے بادشاہ نے اس وجہ سے شکست کھائی ہے کہ فوج اگرچہ اس کے پاس موجود ہے لیکن بہادر سپہ سالار نہیں ہیں جو فوج کی رہنمائی کرسکیں اور ان سے کام لے سکیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمارے بادشاہ اور ملک کو ذلت اُٹھانی پڑی۔ میں نے اب ہوہان مین سے کہا ہے کہ ہم اور تم دونوں مل کر بادشاہ کے پاس چلیں اور یہ عرض کریں کہ ہمیں اپنا فوجی سپہ سالار مقرر کیجئے، تاکہ ہم اپنی تدبیر اور حکمت سے دشمن کو شکست دیں اگر ہم نے خود شکست کھائی، تو ہم خودکشی کرلینے کے لئے تیار ہیں۔ یہی ہماری سزا ہوگی۔ تانگ یانکائی! میرے خیال میں، غالباً ملک کی ذلت دور کرنے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی تدبیر نہیں ہوسکتی، تمہاری کیا رائے ہے؟"

اس پر تانگ یان کائی نے لاحول پڑھی اور اپنا ہاتھ میز پر زور سے مار کر نہایت سنجیدگی سے کہا "واہ کیا اچھی تدبیر ہے! میں سمجھا کہ تم دونوں کوئی عقل کی بات کررہے ہوگے۔ اب معلوم ہوا کہ سوائے حماقت اور جہالت کے اور کچھ نہیں ہے۔ سن یت سین! کیا تم بادشاہ کو خدا بنانا چاہتے ہو؟ لاحول ولاقوۃ! بادشاہ بھی کوئی اس قابل ہے! فرض کرو، اگر تم بادشاہ کے وفادار سپہ سالار بن کر جنگ میں جیت گئے، تو اس سے بادشاہ تو ضرور خوش ہوگا، لیکن عوام کو کیا فائدہ؟ تم کو اس وقت ایسا کام کرنا چاہیئے جو ملک و قوم کے لئے فائدہ کا ہو، نہ کہ کسی ایک شخص کے، خواہ وہ بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔ اس میں شک نہیں کہ جاپان بڑا ظالم ہے۔ مگر یہ ظلم کیوں ہوا؟ اس لئے کہ جاپان میں بادشاہت ہے۔ بادشاہت کے معنی یہ ہیں کہ ایک شخص ملک کی تمام رعایا کو محکوم اور اپنا غلام سمجھتا ہے، سارے ملک کو وہ اپنی ذاتی ملک سمجھتا ہے۔ اسی پر وہ قانع نہیں رہتا بلکہ مزید مقبوضات حاصل کرنے کے لئے وہ دوسرے ملکوں پر فوج کشی کرتا ہے، لاکھوں آدمیوں کا خون بہاتا ہے، لوگ فنا ہوجائیں تو ہوجائیں، پر اس کو کوئی پروا نہیں ہوتی، وہ چاہتا ہے کہ خود اچھی طرح زندہ رہے۔ عیش و آرام سے دن گذارے، اور دنیا میں جو جی چاہے، کرے۔ وہ نہایت حریص ہوتا ہے اس کے حرص کی آگ کو کوئی چیز نہیں روک سکتی، جب تک خود اس کی ذات فنا نہ ہوجائے۔ جاپان نے بھی اسی وجہ سے چین پر فوجکشی کی کہ اس کا بادشاہ مزید فتوحات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اور صرف جاپان کے اس چھوٹے سے چپہ پر وہ قانع رہنا نہیں چاہتا۔ اب تم چاہتے ہو کہ بادشاہ کی مدد کرو، اس کی قوت اور حرص کو بڑھاؤ۔ جب جاپان نے تمہارے بادشاہ کو شکست دے کر تم کو ذلیل کیا اور تم نے جاپان کو ظالم و جابر ٹھہرایا، تو اگر تمہارے بادشاہ نے اس کا ملک فتح کرلیا تو کیا جاپانی تم کو ظالم نہ کہیں گے؟ ضرور کہیں گے! جیسے تم محسوس کرتے ہو، ویسے ہی جاپانی بھی محسوس کریں گے۔

"میرے کہنے کا منشا یہ ہے کہ بادشاہ کی مدد کرنا بالکل بیکار ہے۔

اس لئے کہ اگر بادشاہ کامیاب ہوا، تو ہم بادشاہ کے غلام ہوں گے اور اگر شکست کھائی تو غیر ملک کے۔ دونوں صورتوں میں ہم غلام کے غلام ہی رہیں گے۔ اس میں نہ انفرادی آزادی ہے اور نہ اجتماعی۔ روشن خیال اور حوصلہ مند نوجوان کے لئے یہ نہایت ذلت اور شرم کی بات ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے ملک والوں کو کسی اندرونی یا بیرونی قوت کا غلام بنائے۔ وہ نوجوان حقیقی نوجوان ہے جو ملک اور قوم دونوں کو بہ یک وقت اندرونی اور بیرونی قوتوں کی غلامی سے چھڑائے، تم تو ظاہراً جوان مرد معلوم ہوتے ہو، مگر اب معلوم ہوا کہ تم ایک جاہل اور اندھے ہو۔ کسی چیز کی حقیقت نہیں سمجھتے۔ تم بادشاہ کی مدد کرنا چاہتے ہو؟ افسوس! افسوس!! تم اپنے آپ کو اور ساری قوم کو بادشاہ کا غلام بنانا چاہتے ہو؟ لاحول ولا قوۃ "

سن یت سین ۔ تم تو لاحول ولا قوۃ پڑھتے ہو، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ ملک کس قدر کمزور ہے؟ کیا تم یہ پسند کروگے کہ کوئی غیر طاقت ہمارے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے کرڈے؟

تانگ یانکائی ۔ ملک کی کمزوری دور کرنا اور بات ہے، بادشاہ کو طاقت ور بنانا اور بات۔ اس میں شک نہیں کہ اس وقت ملک کو مضبوط بنانے کی سخت ضرورت ہے، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ بادشاہ کی مدد کرنا بھی ضروری ہے۔ بادشاہ کی مدد کرنا، گویا تم خود اپنے پاؤں میں بادشاہت کی زنجیریں ڈالتے ہو جس کی وجہ سے تمہیں اس کا غلام ہوکر رہنا ہوگا۔ اس سے نہ ملک کی ترقی ہوسکتی ہے، اور نہ قوم کی، ملک و قوم کی ترقی عوام کی مجموعی قوت اور اتحاد عمل پر مبنی ہے، نہ کہ بادشاہ کے وجود پر۔ جاپان نے ہم کو اس لئے ذلیل کیا کہ ہم نے اپنا اعتماد سلے دسے کے بادشاہ پر چھوڑ رکھا تھا۔ ہم یہ سمجھتے تھے کہ بادشاہ ہی ہماری مدافعت کرے گا، اب تم نے دیکھ لیا کہ وہ کچھ نہیں کرسکتا۔ اگر تمام لوگ یہ بات سمجھتے کہ ملک کی ترقی، اور حفاظت اپنی قوت بازو سے ہوسکتی ہے تو ہرگز ہم کو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتا تم بادشاہ کا خیال سر سے چھوڑ دو، بادشاہ اس وقت ایک بچہ ہے۔ ماں کا دودھ پیتا ہے اس شیر خوار بادشاہ کو بھاڑ میں جانے دو، اور اس کا نام نہ لو۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ کس طریقہ سے ہم ملک کو مضبوط اور طاقت ور بنا سکتے ہیں۔ میرا خیال یہ ہے کہ جب تک یہ کم بخت شیر خوار بادشاہ رہے گا اس وقت تک تمام ملک اس ایک شخص کی ملک سمجھا جائے گا اور جب تک چین کی شخصی حکومت قائم رہے گی، اس وقت تک ملک کا مضبوط ہونا اور قوم کا ترقی کرنا محال ہے!

یہاں تک تانگ یانکائی کہنے پایا تھا کہ سن یت سین نے جھٹ سے اس کا منہ بند کردیا اور جھوٹ موٹ خفا ہوکر بولا "خبردار! ایسی بات زبان سے نہ نکالنا، ورنہ تمہاری خیریت نہیں! اگر باہر کے آدمی کو خبر ہوگئی، تو تمام شہر میں شور مچ جائے گا، اور پولیس آکر ہم کو پکڑلے گی تم تو اس وقت بھاگ جاؤگے، مگر مصیبت میرے اور اس بچاری موہائین پر آئیگی۔ تم ذرا زبان سنبھال کر بولو، ایسا نہ ہو کہ ہم بادشاہ کے ناقابل معافی مجرم ٹھہریں، تم کو تو کچھ پرواہ نہیں، مگر ہم ناحق اور بے گناہ جان سے جائیں گے"

تانگ یانکائی ۔ ناحق میں جان جائے گی! تم موت سے ڈرتے ہو؟ یہی تمہاری جواں مردی ہے! میں تو تم کو ایسا نہیں سمجھتا کہ تم اس قدر بزدل ہو، کیا تم نے یورپ کی تاریخ نہیں پڑھی؟ کیا تم نے امریکہ کی آزادی کا مطالعہ نہیں کیا؟ کیا تم کو انقلاب فرانس کی کچھ خبر نہیں؟ انقلاب فرانس اسی لئے ہوا کہ عوام کو شہنشاہیت کے ظلم و استبداد سے تنگ آکر آخر اسی کے خلاف ہتھیار اٹھانا پڑا! کیا تم نے نہیں دیکھا کہ انقلاب فرانس کے بعد جب عوام نے خود حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لے لی، تو وہ مضبوط اور طاقتور ہوگیا؟ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ استقلال امریکہ کی تحریک کیوں پیدا ہوئی؟ اس لئے کہ امریکہ پر انگریزوں کا تسلط تھا، امریکہ

ے ان کے غلام تھے ۔ وہ ان کے ظلم و تشدد کو برداشت نہ کر سکے ۔ بالآخر ارج واشنگٹن جو اس وقت امریکہ کا قائد اعظم تھا ، اس بات پر مجبور ہوا کہ وہ انگریزوں کے خلاف جنگ کرے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ امریکہ خود مختار ہو گیا ۔ اس نے غلاموں کو چھوڑا ، ملک کو آزاد اور قوم کو مضبوط بنایا اور یسا مضبوط بنایا کہ اب دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی اُس کا کچھ نہیں کر سکتی ہے ۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ ظلم خواہ اندر سے ہو یا باہر سے جب تک اس کو فنا نہ کر دیا جائے ، ملک کی اصلاح اور قوم کی فلاح ہرگز نہیں ہو سکتی ۔ تم نے نہیں دیکھا کہ ہمارے ملک میں جو جو بادشاہ ندرے ، انھوں نے کیا کیا ؟ ملک کو غریب بنایا ، رعایا کو پست ہمت ، لوگ سب کے سب بزدل ہو گئے اور قوم ساری کی ساری کمزور ہو گئی ۔ چینیوں کو نہ کوئی فن آتا ہے اور نہ ہنر ۔ ان میں نہ کوئی مادی ترقی ہے اور نہ روحانی ۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ بادشاہ بھی رہے ، اور ملک کی ترقی بھی ہو ۔ میں نے تمہارے جیسا بزدل اور پست ہمت نہیں دیکھا کہ تم صرف ایک شخص کی خدمت کرنا چاہتے ہو ، مصیبت زدہ عوام کو بالکل چھوڑ دے رہے ہو ۔ اور ان کی طرف مطلقاً کوئی توجہ نہیں کرتے ہو ۔ میرے نزدیک اگر ایک شخص جو قوم اور ملک کی فلاح اور بہبود کے لئے بادشاہ کے خلاف اُٹھے تو یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے ۔ بلکہ قابل تعریف ہے ۔ وہ شخص ایک سچا ، بڑا اور باہمت مرد سمجھا جائے گا جو سارے قوم اور ملک کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دے ، اور انکی تکلیف کو دور کرنے کی کوشش کرے ۔ یہی انسانیت کا تقاضہ ہے ۔ تم مجھ کو ڈراتے ہو کہ باہر خبر ہو جائے گی ، اور سپاہی اگر تم کو پکڑ لیں گے ۔ بلا سے پکڑ لیں گے ۔ انسان مرے مگر شیر کی طرح تو مرے نہ کہ کتے کی طرح ۔ تم شیر بننا نہیں چاہتے ہو ؟ افسوس صد افسوس !

(باقی آئندہ)

چین کا قومی جھنڈا



نیلا آسمان اور روشن سورج

ڈاکٹر جولیس گرمانس

گزشتہ پرچہ میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ڈاکٹر جولیس گرمانس صاحب جو ابھی حال میں جامعہ کے "یوم تاسیس" کے موقع پر اسلام لائے ہیں ان کے مفصل حالات زندگی مع تصویر کے اس نمبر میں شائع کئے جائیں گے چنانچہ ذیل کے مختصر حالات زندگی ہدیہ ناظرین ہیں اور تصویر علیحدہ طور پر دی جا رہی ہے۔ اسی پرچہ میں اسلام پر آپ کے خیالات بھی پیش کئے جا رہے ہیں۔

ڈاکٹر جولیس گرمانس یورپ کے ایک ملک ہنگری کے رہنے والے ہیں اور اس کے پایہ تخت بوداپسٹ میں ۱۸۸۴ء میں پیدا ہوئے۔ پہلے پہل آپ کو ایک انجینئرنگ اسکول میں بھیجا گیا۔ اس لئے کہ آپ کے والدین نے بچپن میں دیکھا کہ لڑکے کا میلان کچھ صنعت و حرفت کی طرف ہے لیکن کچھ دنوں بعد معلوم ہوا کہ آپ کے والدین نے اندازہ کرنے میں غلطی کی تھی، چنانچہ آپ کو اس اسکول سے اٹھا کر عام اسکول میں داخل کر دیا گیا۔ جہاں آپ نے میٹرکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ اس کے بعد آپ کالج میں آئے اور ویانا، لائپزگ، اور برلن کی یونیورسٹیوں میں کچھ کچھ زمانہ تک رہ کر تعلیم حاصل کی۔

اس وقت تک آپ کو اسلامی علوم اور اسلام سے کوئی واقفیت اور دلچسپی نہ تھی۔ آپ کو اپنے ملک ہنگری کی تاریخ لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ ہنگری پر چونکہ ایک زمانہ تک ترکوں کا قبضہ رہ چکا تھا، اس لئے ہنگری کی تاریخ کے متعلق بہت کچھ مواد ترکی زبان میں تھا۔ اس وجہ سے آپ کو ترکی زبان سیکھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اس وقت یورپ میں پروفیسر ویمبری صاحب اسلامی علوم اور زبانوں کے بہت بڑے عالم سمجھے جاتے تھے چنانچہ آپ نے ان ہی سے ترکی زبان سیکھنی شروع کی۔ ترکی زبان کے ذریعہ آپکو ترکوں کے اخلاق و عادات اور اسلامی تہذیب و تمدن کا کچھ حال معلوم ہوا۔ اس کے بعد آپ کو خیال ہوا کہ اسلامی تمدن و تہذیب کی اصل حقیقت اگر معلوم ہو سکتی ہے تو وہ عربی زبان کے ذریعہ ہو سکتی ہے چنانچہ آپ نے اسلامی علوم واسنہ کے ایک دوسرے فاضل گولڈزیہر نامی سے عربی پڑھنی شروع کی۔

اس کے بعد سے اسلام کی حقیقت آپ پر روز بروز روشن ہونے لگی۔ اور اہل اسلام کے ساتھ آپ کی ہمدردی اور دلچسپی بڑھتی رہی ترک چونکہ اسلامی اقوام میں جغرافیائی اعتبار سے سب سے قریب تر تھے، اس لئے آپ کی دلچسپی و ہمدردی کا سب سے پہلے وہی مرکز بنے ۱۹۰۵ء میں آپ نے تسترہویں صدی میں ترکی کے اہل حرفہ و پیشہ پر ایک چھوٹی سی کتاب لکھی جو اس قدر پسند کی گئی کہ آپ کو اس پر ایک انعام ملا۔ ترکوں کی تاریخ کے ساتھ آپکی دلچسپی یہیں تک نہیں رہی بلکہ برٹش میوزیم میں جہاں تقریباً ہر ملک کی اور ہر زمانہ کی تاریخیں ہیں آپ نے ترکوں کی تاریخ کے متعلق بہت کچھ مطالعہ کیا اور اس پر کئی مضامین لکھے۔

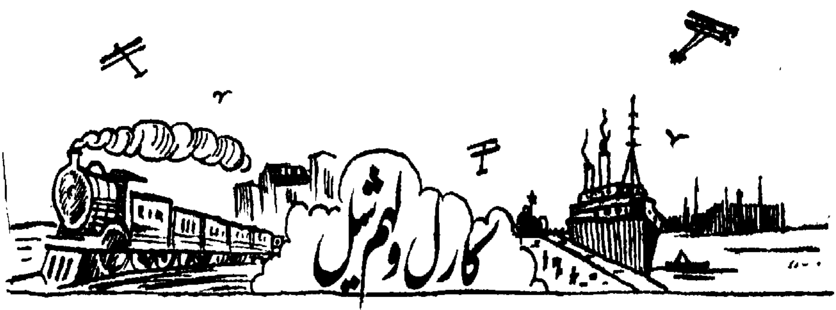
آپ کی دلچسپیوں کو دیکھ کر ۱۹۰۹ء میں بوداپسٹ کی اورینٹل اکیڈمی نے آپ کو تاریخ مشرقی کا پروفیسر مقرر کیا۔ آپ کی یہ دلچسپی اسلامی علوم و فنون ہی کے ساتھ نہ تھی بلکہ اصل اسلام سے بھی اسی قدر تھی، چنانچہ ۱۹۱۱ء میں آپ نے پروٹسٹائی مذہب والوں کی ایک علمی مجلس میں اسلام پر لکچروں کا ایک سلسلہ شروع کیا جو گزشتہ جنگ عظیم کے شروع تک جاری رہا۔

ان واقعات سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ اسلام اور اہل اسلام کے ساتھ آپ کی دلچسپی محض علمی حیثیت سے تھی اور عملاً آپ کو کوئی تعلق اور لگاؤ نہ تھا۔ ۱۹۱۴ء میں جب جنگ عظیم شروع ہوئی اور جرمنی و آسٹریا ہنگری کے ساتھ اتحادیوں کے خلاف ترکی بھی شامل ہوگئی تو آپ کا ایک طرح سے گویا مسلمانوں کے ساتھ ناتا بندھ گیا۔ زمانہ جنگ میں آپ نے اپنے ہاں ترکی مجروحین کی امداد کے لئے "ہلال احمر" کے نام سے ایک انجمن قائم کی اور اس انجمن کی طرف سے آپ ترکی مریضوں اور مجروحوں کے لئے دوائیں اور ہر قسم کا ضروری سامان مہیا کرتے تھے۔ ہیضہ اور ٹائیفائڈ کے لئے آپ انجکشن کی شیشیاں خرید کرکے جاتے تھے، جو بہت قیمتی ہوتی تھیں۔ ایسے سپاہیوں کے لئے جو جنگ میں ہاتھ پاؤں سے بے کار ہوگئے تھے، آپ جرمنی سے ان کے لئے ربر کے مصنوعی ہاتھ پاؤں فراہم کرتے تھے جو بالکل قدرتی اعضاء کی طرح کام دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں ایک نہایت دلچسپ واقعہ پیش آیا۔ طلعت پاشا نے جو اس وقت وزیر جنگ تھے، آپ کو اپنے ہم قوموں کی یہ امداد کرتے دیکھا تو ایک بار آپ سے مذاق سے فرمایا کہ "مسٹر گرمانس! کیا آپ اپنے ہاں سے ان ہاتھ پاؤں کی طرح بنے ہوئے سر نہیں لاسکتے؟ جس کی آج کل ہمارے ملک میں سب سے زیادہ ضرورت ہے"

ان ہی ہمدردانہ تعلقات کا نتیجہ تھا کہ ترکوں کے بڑے بڑے اشخاص کے آپ نہ صرف معتمد بلکہ نہایت گہرے دوست ہوگئے۔ انور پاشا سے آپ کے نہایت دوستانہ تعلقات تھے اور اس دوستی میں آپ نے بہت کافی تکلیفیں بھی اٹھائیں۔ ایک بار کا قصہ ہے کہ جب آپ قسطنطنیہ میں رہا کرتے تھے انور پاشا آپ کے ہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ کہ یکبارگی دروازے سے کچھ فوجی سپاہیوں کے آنے کی آہٹ معلوم ہوئی۔ انور پاشا جو نہایت ذکی اور ذہین شخص تھے، فوراً سمجھ گئے کہ یہ انکی گرفتاری کا سامان ہے، جھٹ کھڑکی سے کود کر نکل گئے۔ فوجی سپاہی اندر آئے اور انھوں نے دریافت کیا "انور پاشا کہاں ہیں؟" اور اسکے بعد ہر طرف تلاش کرنا شروع کردیا جب کہیں سراغ نہ ملا تو مجبوراً آپکو پکڑ کرلے گئے اور کوئی ۱۰-۱۱ دن تک حراست میں رکھا لیکن اسوقت چونکہ غیر ملکی طاقتوں کو ترکی میں بہت حقوق حاصل تھے اسلئے ہنگیرین قنصل کے احتجاج پر آپکو فوراً چھوڑ دیا گیا اور اس بے ثبوت گرفتاری پر حکام کو کافی تاوان بھی ادا کرنا پڑا۔ اس طرح ترکان احرار کے ساتھ ہمدردی اور تعلق کی بنا پر آپکو متعدد بار مصائب کا سامنا کرنا پڑا لیکن آپ اس سے کبھی نہ جھجکے۔

ترکی کے اس قیام اور ترکوں کے ساتھ ان تعلقات کا یہ اثر تو ضرور ہوا کہ آپ کے دل میں اسلام اور ان سرفروشان اسلام کی محبت والفت کا ایک گہرا نقش بیٹھ گیا۔ جنگ عظیم ختم ہونے کے بعد آپ نے یہ ارادہ کیا کہ آپ اپنے ملک ہنگری میں ترکوں کی گذشتہ شوکت وعظمت کی ایک یادگار قائم کریں جو ایک خانۂ خدا کی صورت میں ہوگی۔ بوڈاپسٹ میں "گل بابا" کے نام سے ایک بزرگ کا مزار ہے جو ترکوں کی گزشتہ سیکڑوں یادگاروں میں سے لے دے کے اب ایک تنہا یادگار باقی رہ گئی ہے۔ آپ نے سب سے پہلے شیخ الاسلام سے یہاں ایک مسجد بنوانے کا فتویٰ حاصل کیا اور اپنے ہاں کی میونسپلٹی سے زمین کا ایک عطیہ لے کر ایک چھوٹی سی مسجد کی بنیاد ڈال دی، اور اس کی توسیع کے لئے مزید سرمایہ اکٹھا کیا جو بدقسمتی سے گزشتہ تبادلہ کی کشمکش میں بہت کم ہوگیا۔

جنگ ختم ہوجانے کے بعد آپ پھر اپنی جگہ واپس کردئے گئے اور آج کل آپ بوڈاپسٹ یونیورسٹی میں شعبہ مشرقی کے صدر کی حیثیت سے ہیں۔ اب سے ڈھائی سال پیشتر آپ ڈاکٹر رابندرناتھ ٹیگور کی بین الاقوامی یونیورسٹی میں شعبہ علوم اسلامی کے صدر کی حیثیت سے آئے۔ ایک سال پیشتر جامعہ سے راقم الحروف کو آپکے ساتھ کام کرنے کے لئے اس شعبہ میں بھیجا گیا تھا۔ چنانچہ اسی تعلق سے اس سال آپ جامعہ تشریف لائے اور اپنے سابقہ میلانات کی بنا پر جامعہ کے یوم تاسیس کی تقریب میں اپنے باقاعدہ قبول اسلام کا اعلان فرمایا۔ خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو اس صراط مستقیم پر قائم رکھے۔ آمین



جن طالب علموں نے یورپ کا جغرافیہ پڑھا یا نقشہ دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ جزیرہ نمائے اسکنڈے نیویا براعظم یورپ کے شمال میں ایسا نکلا ہوا ہے جیسے کسی نے ایک ٹانگ پھیلا دی ہو۔ اس جزیرہ نما میں دو ملک ہیں۔ اوپر ناروے اور نیچے سوئڈن۔

آج جس سائنسداں کے حالات اور کارنامے ہم بیان کرنا چاہتے ہیں وہ ملک سوئڈن ہی کا باشندہ تھا۔ اس کا نام کارل ولہم شیل تھا۔ اس کا باپ معمولی حیثیت کا ایک تاجر تھا۔

شیل ۱۷۴۲ء میں بائل کے انتقال کے تقریباً پچاس برس بعد پیدا ہوا۔ ابتدائی تعلیم کے لئے باپ نے ایک غیر سرکاری مدرسہ میں داخل کرا دیا اس کا باپ چونکہ اتنا خوش حال نہ تھا کہ ہونہار بیٹے کو اعلیٰ تعلیم دلائے اس لئے مدرسہ کی تعلیم ختم کرتے ہی اس کو ایک عطار کے ہاں ملازم رکھا دیا۔ اس عطار کے دواسازی کے کارخانہ میں مختلف دوائیں تیار ہوتی تھیں جہاں سب سے پہلے شیل نے فن دواسازی اور اس کے مختلف طریقوں کا نہایت غور سے مطالعہ کیا۔ تھوڑے ہی عرصہ میں اس نے ان تمام دواؤں کے خواص، ترکیب اور ماہیت کے متعلق ضروری اور کارآمد معلومات عملی طور پر حاصل کریں، جو اس زمانہ میں استعمال کی جاتی تھیں۔ عملی کام کے ساتھ ساتھ بڑے بڑے سائنسدانوں کی تصنیفات کا بھی وہ مطالعہ کرتا رہا۔ اس کے شوق اور انہماک کو دیکھ کر کارخانہ کے مالک نے اسکی صحت کے متعلق جن الفاظ میں خدشہ کا اظہار کیا وہ اس ہونہار نوجوان کی علمی قابلیت اور عملی سائنس کے ساتھ اس کے شغف کا بیّن ثبوت ہے۔ لکھتے ہیں:۔

"جو گھنٹے اس نوجوان کو سونے اور آرام کرنے میں گذارنے چاہئیں ان کو یا تو وہ ایسی کتابوں کے مطالعہ میں گزارتا ہے جن کا معیار اسکی قابلیت سے بلند ہوتا ہے یا ایسے تجربے کرنے میں گذار دیتا ہے جن میں اس سے زیادہ عمر رسیدہ اور زیادہ تجربہ کار لازموں کا دماغ بھی چکرا جائے۔ مجھے خدشہ ہے کہ کہیں اس محنت سے اس کی صحت خراب نہ ہو جائے۔"

اب شیل کو عملی کام کرتے ہوئے پورے گیارہ برس گذر گئے۔ عطار نے بڑھاپے کی وجہ سے اپنا کاروبار فروخت کر دیا۔ ایک دوسرے عطار کے ہاں قلیل عرصہ تک کام کرنے کے بعد سوئڈن کے دارالسلطنت اسٹاک ہالم میں آگیا۔ جہاں اس نے بحیثیت مہتمم دواخانہ کے ملازمت اختیار کر لی۔

اس کی نشست گاہ کھڑکی کے پاس تھی جس میں سے سورج کی کرنیں گزر کر اس کی میز کو روشن اور جسم کو گرم کرتیں۔ ایک روز جب کہ سورج نہایت ہی آب و تاب سے چمک رہا تھا شیل اپنی نشست پر بیٹھا خیالات میں غرق تھا کہ کچھ آوازیں سنائی دیں غور سے سننے پر معلوم ہوا کہ وہی روشن اور خوبصورت کرنیں اس کو خواب غفلت سے ہوشیار کرکے عملی کام کی طرف متوجہ کر رہی ہیں، کرنیں بزبان حال اس سے یہ کہہ رہی تھیں "جناب! ہم کو ننھی کرنیں دیکھ کر حقیر نہ سمجھئے۔ ہم

میں حرارت اور روشنی ہے، ہمارے نمودار ہوتے ہی تمام کائنات میں زندگی کی لہر دوڑ جاتی ہے ہم کو اللہ میاں نے تمام کائنات کی خدمت کے لئے مامور کیا ہے۔ ہم نے مسلسل لیکن خاموش پیغامات بھیجے، مگر آپ متوجہ نہوئے۔ ہم نے بیم آپکی طرف دست اعانت بڑھایا لیکن آپکو سینش نہ ہوئی۔ کیا اب بھی آپ ہم سے آنکھ چرائینگے"۔ شیل نے چونکنے ہوکر کہا نہیں ہرگز نہیں مجھے کل ہی اس تجربہ کو شروع کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ دوسرے روز اسنے چاندی کے ایک مرکب سلور کلورائڈ (silver chloride) کو کرنوں کی ضیافت طبع کے لئے کھڑکی کے سامنے رکھ دیا۔ کرنوں میں جس جماعت کو اس مرکب سے مناسبت تھی وہ فوراً متوجہ ہوئی اور چند ہی لمحوں میں اپنے اثرات کو ظاہر کر دیا۔

اس عجیب و غریب اور اہم مشاہدہ کی صحت سے مطمئن ہوکر اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ سورج کی بعض کرنیں سلور کلورائڈ کے تجزیہ پر کم اثر کرتی ہیں اور بعض زیادہ۔ اسی تجربہ کے دوران میں سائنس کے رسالوں میں پہلی مرتبہ اس کا نام بحیثیت موجد کیمیا کے ظاہر ہوا۔

ایک مرتبہ اس نے ایک مرکب کے متعلق اپنے کچھ تجربے لکھ کر اسٹاک ہالم کی اکاڈمی میں بھیجے لیکن اکاڈمی کے سائنسداں برگمین نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی۔ اسی طرح اس نے ایک اور مقالہ جو اس کی جدید تحقیقات پر مشتمل تھا اسی اکاڈمی میں بھیجا۔ وہ پڑھا تو گیا لیکن برگمین کی مداخلت کی وجہ سے شائع نہیں ہوا۔ شیل کو اکاڈمی کے ذمہ دار عہدہ داروں کا یہ طرز عمل بہت ناگوار معلوم ہوا اس لئے اس نے دارالسلطنت کو خیرباد کہہ کر ایک دوسرے شہر میں ملازمت اختیار کر لی اور وہیں اپنی تحقیقات کا سلسلہ بھی جاری کر دیا۔

اسی اثنا میں برگمین نے ایک تجربہ کیا جس کے نتائج اس کی سمجھ میں نہ آسکے۔ اس کے دوست نے (جو شیل کی قابلیت سے بھی واقف تھا) کہا کہ فلاں عطار کے ملازم شیل سے دریافت کرو۔ چنانچہ برگمین نے جب شیل کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کیا تو اس نے مفصل طور پر اس کی حقیقت بیان کر دی۔ وہی برگمین جس کے نزدیک شیل کے مقالات کوئی اہمیت نہ رکھتے اس کی قابلیت کا ایسا معترف ہوا کہ مرتے دم تک اس کی رفاقت نہ چھوڑی۔

بتیس برس کی عمر میں شیل اسٹاک ہالم کی مجلس سائنس کا رکن مقرر ہوا۔ یہ وہ اعزاز تھا جو اس سے پہلے کسی دواسازی کے طالب علم کو حاصل نہیں ہوا تھا ۲۵ برس کی مسلسل محنت کے بعد اس کی شہرت کا آفتاب نصف النہار پر پہنچا۔ یورپ کے ہر ملک میں اس کا نام ادب و احترام کے ساتھ لیا جاتا تھا۔ بعض بیرونی سلطنتیں بڑی بڑی رقمیں بطور مشاہرہ کے پیش کرکے اپنے ملک میں بلانے کو تیار تھیں۔ لیکن شیل اپنی مادر وطن کی خدمت کو اپنا فرض اولین سمجھتا تھا۔

سوئڈن سخت سرد ملک ہے۔ کڑاکے کے جاڑوں میں شیل اپنے معمل میں گھنٹوں کام کرتا جس کا اثر یہ ہوا کہ وہ گٹھیا کے مرض میں مبتلا ہوگیا لیکن اس حالت میں بھی اس نے تحقیقات کو جاری رکھا۔ اپنی عمر کے آخری سال یعنی ۱۷۸۶ء میں اس نے یہ معلوم کرنے کے لئے کہ شورے کے تیزاب پر سورج کی روشنی کا کیا اثر ہوتا ہے تجربے کرنا شروع کئے لیکن جاڑا شروع ہوگیا۔ چنانچہ اس نے یہ کہہ کر کہ میں ان تجربوں کو آیندہ موسم گرما میں پھر دہراؤنگا اور دیکھوں گا کہ کیا نتائج ظاہر ہوتے ہیں اپنے تجربوں کو ملتوی کر دیا۔ لیکن بدقسمتی سے شیل کو جاڑے کا موسم دیکھنا پھر کبھی نصیب نہ ہوا اور ۴۳ برس کی عمر میں اس کا انتقال ہوگیا

شیل اول تا آخر عملی سائنسداں تھا۔ خیالات یا اصول پیش کرنیکی بجائے اس نے عملی نتائج پیش کئے۔ اس نے کئی ایک نامیاتی اور غیر نامیاتی ترشے تیار کرکے علم کیمیا کے دائرہ کو وسیع کیا۔

آکسیجن گیس کا نام اور اس کے بڑے بڑے خواص کو کم و بیش

سب ہی جانتے ہیں۔ انسان اور دوسرے تمام جانداروں کی زندگی کا انحصار اس گیس پر ہے۔ اس کے اکتشافات کا سہرا اسی سوڈنی کیمیا داں کے سر ہے۔ اس نے اس گیس کو سیندور، شورے اور دوسری اشیاء کو گرم کرکے تیار کیا۔ اس گیس کے خواص کی جانچ میں اس نے دیکھا کہ اگر کوئلہ گندھک اور فاسفورس اور لوہے کو ذرا سلگا کر اس میں ڈال دیا جائے تو یہ سب اشیاء فوراً بھڑک اُٹھتی ہیں اور نہایت ہی تیز روشنی کے ساتھ جلنے لگتی ہیں۔ اس لئے اس کا نام اس نے "آتشی ہوا" اور "عالی ہوا" رکھا۔

جنگ عظیم کے واقعات کے سلسلے میں کلورین گیس کا نام سننے میں آیا ہوگا اور یہ بھی سنا ہوگا کہ کس طرح جرمنوں نے غنیم کی فوجوں کو اس گیس سے ہلاک کیا۔ لیکن یہ حقیقت بہت ممکن ہے نہ سننے میں آئی ہو کہ یہی مہلک چیز معمولی نمک کا بھی ایک جزو ہے جس کا روزمرہ کا استعمال ہماری صحت کے بقا کے لئے ضروری ہے۔ اس گیس کا موجد بھی شیل ہے۔

دودھ کا مزا میٹھا ہوتا ہے، اس لئے کہ اس میں نہایت ہی قلیل مقدار میں شکر پائی جاتی ہے۔ شیل نے دودھ سے اس شکر کو ایک سادہ طریقہ سے تیار کیا۔ فاسفورس، ایتھر، گلیول اور بعض دوسری اشیاء کے تیار کرنے کے نئے طریقے وضع کئے۔ لوہے کو مینگنیز سے جدا کرنے کا طریقہ بیان کیا جو آج کل بھی معملوں میں رائج ہے۔

شیل کے اکتشافات اور ایجادات کو گنانے کے لئے دفتر چاہئیں۔ اس کے علاوہ ان سب کا ذکر ناظرین کو غیر دلچسپ معلوم ہوگا۔ اس لئے ہم انہی بڑی بڑی اہم اور عام فہم چیزوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔ گو شیل نے کوئی قابل ذکر نظریہ یا اصول وضع نہیں کیا لیکن بحیثیت ایک عملی حکیم کے بلاشبہ وہ اٹھارویں صدی کا سب سے بڑا مکتشف اور موجد تھا۔ ۱۷۷۷ء میں اس کی ایک تصنیف "آتش اور ہوا" کے نام سے شائع ہوئی۔ اس کی مقبولیت کے لئے صرف اتنا ہی لکھ دینا کافی ہوگا کہ یورپ کی تقریباً تمام زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا۔

شیل کے کارناموں کی وقعت اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کی زندگی کا بیشتر حصہ مالی مشکلات اور خانگی پریشانیوں میں گزرا۔ وہ نہایت ہی محنتی قانع اور دھن کا پکا تھا علم کی جستجو میں جان دیدینا اس کے نزدیک شہادت کا مرتبہ حاصل کرلینا تھا۔ لہذا آیئے ہم بھی اس کو "شہید سائنس" ہی کے نام سے یاد کریں۔

سوڈن کے "شہید سائنس" کے کارناموں کا مطالعہ کرنے کے بعد آیئے دیکھیں کہ دنیائے سائنس کی فضا اُس وقت کیسی تھی اور کون کون سے ستارے اس کو منور کر رہے تھے۔

انگلستان میں پرسیٹلے اور کوینڈش حکیم مطلق کی حکمتوں کے مطالعہ میں منہمک تھے۔ اول الذکر نے گیسوں کے متعلق نہایت ہی مفید تحقیقات کرکے ہوا کے عنصر ہونے کی تردید اور اس کے گیسوں کا ایک مخلوط ہونے کے ثبوت پیش کئے۔ سوڈا واٹر کی ایجاد کا سہرا بھی اسی سائنسداں کے سر ہے۔ کوینڈش نے پانی کے متعلق تحقیقات کرکے ثابت کیا کہ وہ دو گیسوں آکسیجن اور ہائیڈروجن کا ایک مرکب ہے۔

ان حکما کے کارناموں پر سرسری نظر ڈالنے سے ہم کو آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح انہوں نے اربعہ عناصر کے نظریہ کی تردید کی اور اپنے اکتشافات سے دنیائے سائنس کو چار چاند لگا دئے۔ لیکن یہاں یہ سوال کیا جاسکتا ہے کہ کیا انکی تمام تحقیقات اور نظریئے، شہادات اور انکی توجیہیں بالکل صحیح اور ناقابل تردید تھیں؟ نہیں؟ ہرگز نہیں! آیندہ اشاعت میں بتایا جائیگا کہ کس طرح ان کے اصول اور نظریوں میں نقص

مکتب کا ایک بچہ

مصعب عرف مُنّو، درولی ضلع بارہ بنکی کا ایک چار سالہ بچہ ہے جو مدرسہ جامعہ کے مکتب میں پڑھتا ہے۔ عبدالغفار صاحب مدہولی کو جو اس مدرسے کے صدر معلم ہیں بچوں کی نفسیات کا اندازہ کرنے اور اس کے مطابق انہیں تعلیم دینے کا ہر وقت خیال رہتا ہے۔ ذیل کا مضمون انہی اُستاد و شاگرد کے درمیان ایک گفتگو کا نتیجہ ہے جس سے یہ اندازہ کرنا مقصود تھا کہ بچہ کو کتنے الفاظ معلوم ہیں اور وہ کس کس قسم کے ہیں۔ اُمید ہے کہ بچوں کی تعلیم سے دلچسپی رکھنے والے حضرات اسے خصوصیت سے پسند کریں گے (مدیر)

رات کے کوئی ۸ بجے مصعب اپنے کمرہ میں بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ میں نے اُس سے کہا اگر میں کچھ لکھوں تو پہچانو گے؟ مصعب نے کہا "ہاں" اور پھر لکھنے میں مشغول ہو گیا۔ میں نے کاغذ پر باری باری سے "رات، بات، جات، سال" لکھا اور بچے نے پہچاننے کی کوشش کی پھر کہنے لگا "لٹو، گھوڑا" لکھئے۔ میں نے ایسا ہی کیا۔ پھر بچے سے پوچھا کہو اور کیا کیا لکھوں؟ بچے نے کہا لکھیے— "ہوائی جہاز۔ پھول۔ زنجیر، موٹر، تانگا، یکہ، چاقو۔ ریل، انجن، موٹر۔ کاپی۔ دروازہ۔ میز، پنکھا" اب وہ تھوڑی دیر کے لئے رُکا۔ میں نے کہا بس ہار گئے؟ اُس نے اپنے آپ پر نظر دوڑائی اور کہنے لگا "بٹن۔ [illegible]۔ کرتا۔ ہاتھ۔ واسکٹ۔ ٹوپی۔ پنسل۔ کتاب" پھر دوسری طرف نظر کی اور کہا "لحاف۔ گوٹ۔ رنگ۔ کپڑے" پھر پلنگ پر بیٹھ گیا اور کہنے لگا "تکیہ۔ چارپائی۔ پلنگ" پلنگ کے متصل ایک طاق تھا بظاہر اُس میں کچھ نہیں تھا اُس نے طاق کو اچھی طرح دیکھا اور کہنے لگا "دفتی۔ گیند۔ امیری [illegible]۔ ڈور" اب وہ پلنگ سے اُتر آیا، دوڑا ہوا گیا اور کہنے لگا "تار، چھینکا، چاقو" وہ ہر وقت پلنگ پر سے نیچے آتا اور اوپر جاتا۔ وہ کوئی تھکن محسوس نہیں کرتا تھا۔ شاید کسی اور وقت اُسے دو تین دفعہ پلنگ پر جانے اور نیچے آنے کو کہا جاتا تو وہ تھک جاتا۔ پھر آواز دی لکھیے "پری" میں نے کہا پری کیا ہوتی ہے؟ وہ ایک تصویر اُٹھا لایا جس کے بازوؤں میں پر لگے ہوئے تھے۔ [illegible] کی طرف دیکھا اور کہنے لگا "بجلی، کرنٹ، بجلی کا مسالہ، بتی"

اب وہ پھر اُسی طاق کی طرف دوڑا جس کے متعلق میرا خیال تھا کہ اس میں کچھ نہیں ہے، اور وہ کہنے لگا "ڈبہ، نب، ڈوری" ایک اور لڑکا جو چوتھی جماعت میں پڑھتا تھا مجھ سے کہنے لگا "ماسٹر صاحب آپ کس کے بہکانے میں آ گئے ہیں وہ (مصعب) تو کھیلتا جاتا ہے" پھر مصعب نے آواز دی "لکھیے: ہیٹر، بیڑی، گلوبند۔ لکڑی۔ بلم۔ آدمی" اب وہ یکایک رُک گیا اور کچھ سوچنے لگا اتنے میں اُسے کچھ خیال آیا۔ اُس نے اس دروازہ کو کھولا جس کا رُخ سڑک کی طرف تھا اور کہنے لگا "زمین، ہوا، بائیسکل" وہ کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ اس کی بوا بول اُٹھیں:-

"بیٹا ہوا لگے گی طبیعت کھراب (خراب) تھی۔ ہیاں (یہاں) آ جاؤ"

مصعب نے کہا لکھیے "آدمی۔ زمین"

"مُصوا۔ ہم کا کہین" (ہم نے کیا کہا؟)

اب کی دفعہ مصعب نے چپکے سے دروازہ بند کر دیا اور پلنگ کے نیچے ہو گیا اور کہنے لگا "جھاڑو۔ ازار بند۔ تکیہ۔ صندوق"

اب اُس نے دوسری الماری کھولی اور کہنے لگا "بستہ۔ پیامِ تعلیم۔ بلم۔ ڈھکن۔ رسی۔ روئی" سڑک والے دروازے کو پھر کھولا اور کہنے لگا "سڑک" اب وہ ایک کونے میں گیا اور کہا "تشتری، بسکٹ، نان پاؤ، نعمت خانہ، تھیلی۔ کرچھا" پھر وہ پہلے طاق کی طرف دوڑا۔ وہ جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا۔ مگر اب کی دفعہ اس کے چوٹ لگ گئی [illegible] بار

معه‏کوشش کی اور کھوایا" رنگ ۔ تار"۔ وہ یکایک رُک گیا۔ میں نے اُس سے کہا کیا ہار گئے؟ وہ دوسری الماری کی طرف بڑھا اور کہنے لگا" انگریزی" میں نے کہا انگریزی کیا ہوتی ہے؟ وہ ایک ڈبہ اُٹھا لایا جس پر انگریزی میں عبارت لکھی ہوئی تھی پھر کہنے لگا" جھنڈا۔ پاندان۔ سلیٹ۔ دری۔ درزی۔ لوٹا۔ کٹورہ۔ سفیدی۔ کالا رنگ" پھر وہ پلنگ کے نیچے چھپ گیا اور ہاتھ کے اشارے سے کہا۔

"بھلا وہ کیا ہے؟"

"ہم کا جانیں تم بوجھو" (ہم کیا جانیں)

اب کی دفعہ وہ پن کٹی اُٹھا لایا۔ میں نے آنکھیں بند کرلیں اور کہا مجھے سمجھاؤ وہ کیا ہے؟ کہنے لگا" پان کٹی" میں نے کہا میری آنکھیں بند ہیں سمجھاؤ

"وہ جو پان کھاتے ہیں"!

"وہ جو پان کھاتے ہیں"

"میں نہیں سمجھا"

"لمبی۔ لمبی"

"لمبی لمبی کیا ہے"؟

اُس نے پن کٹی پھینک دی اور کہا لکھئے" دوات۔ کنگھی۔ ہولڈر۔ بوتل۔ جوتا۔ رجسٹر۔ صابن۔ طشتری" اب وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔ میں محسوس کر رہا تھا کہ اب وہ تھک گیا ہے میں نے کہا بس؟ وہ دوڑا ہوا ایک تیسری الماری کی طرف گیا اور اُسے کھولا اُس میں بے شمار چیزیں تھیں۔ میں ڈر گیا کہ یہ سلسلہ آخر کب تک ختم ہوگا۔ میں نے مصعب کو گود میں اُٹھا لیا اور کہا بھائی تم جیتے تم تو بڑے ہوشیار ہو"

اتنے میں آدمی کھانا لایا۔ ابا نے مصعب سے کہا۔

"لو ہاتھ دھولو۔ بہت کھیل چکے۔ کھانا کھاؤ"



ایک کامیاب اُستاد

یوں تو ایک استاد کو تمام انسانی اوصاف کا مجموعہ ہونا چاہئے لیکن ایک کامیاب استاد بننے کے لئے چند کم سے کم خصائص کا ہونا ضروری ہے۔ یہ خصوصیتیں یہ ہیں:

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ استاد کو ایسا ہونا چاہئے کہ وہ اپنے علم کو بچوں کے دل کے اندر اچھی طرح ڈال سکے۔ اسے بچوں کی ضروریات اور دلچسپیوں کا پورا پورا اندازہ ہونا چاہئے۔ وہ خود ایسا ہو کہ بچوں میں مل کر بچہ ہو سکے۔ یہ خوبی کچھ تو قدرتی طور پر ہوتی ہے اور کچھ کوشش سے بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ ایک استاد اگر یہ خوبی اپنے اندر پیدا کرنی چاہے تو وہ بچوں کے نہایت گہرے مطالعے سے بہت کچھ پیدا کر سکتا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کے پاس ہر قسم کی معلومات کا ذخیرہ ہونا چاہئے سطحی معلومات سے کوئی چاہے کہ وہ اچھا استاد بن سکے تو یہ ناممکن ہے۔ اس کے پاس معلومات کا خزانہ ہونا چاہئے اور وہ اس خزانے کو فیاضی سے خرچ بھی کر سکے کم معلومات کے ساتھ اس میں خود بھی اعتماد نفس اور اطمینان قلب نہیں پیدا ہو سکتا۔

تیسری چیز ایک پُر اثر شخصیت ہے۔ گو اس میں بچوں کے ساتھ دلچسپی پیدا کرنے کا مادہ اور کافی ذخیرہ معلومات بھی ہو، لیکن اگر وہ ایک باثر شخصیت نہیں رکھتا ہے تو وہ اپنی معلومات سے تشنہ کام بچوں کی پیاس ہرگز نہیں بجھا سکتا۔ اس لئے اسے اپنی شخصیت اور ظاہری حالت بھی ایسی رکھنی چاہئے جو بچوں کے لئے دلچسپی اور توجہ کا باعث ہو۔

چوتھی چیز جو نہایت ضروری اور اہم ہے، یہ ہے کہ اسے اپنی شخصیت کو بچوں کے اندر بالکل فنا بھی کر دینا ہے، یعنی وہ ان میں مکمل مل کر ایسا ہو جائے کہ بچوں کو استاد کا بھوت ہر وقت سر پر سوار نہ نظر آئے۔ وہ اپنی شخصیت کو تعلیمی اصولوں اور نظریوں کے ان تک پہنچانے کا ایسا ذریعہ بنائے کہ بچے اس مقصد کے آگے اس ذریعہ کو نہ دیکھ سکیں۔ اسے صرف ایک نگراں اور رہبر ہونا چاہئے اور بس!

(ماخوذ)

کوائف جامعہ

۱۵ نومبر کو ڈاکٹر جولیس گرمانس صاحب جن کا اسلامی نام عبدالکریم گرمانس ہے، شانتی نکیتن واپس گئے۔ آپ جامعہ سے بہت اچھا اثر لے گئے ہیں۔ اپنے ایک کرمت نامہ میں لکھتے ہیں کہ "جامعہ اپنے نظم وضبط کے لحاظ سے ہندوستان میں بہترین درسگاہ ہے۔ جامعہ میں ایک ماہ کا قیام میرے ہندوستان کی طویل مدت اقامت کا سب سے خوشکن اور مسرت بخش زمانہ ہے۔ جامعہ والوں کے اخلاق ومحبت کا میرے دل پر نہایت گہرا نقش ہے اور مجھے امید ہے کہ اہل جامعہ کا ہندوستان کی آیندہ زندگی میں بہت بڑا حصہ ہوگا۔"

آپ کے ہمراہ چند دنوں سے شانتی نکیتن کے ایک دوسرے امرکین پروفیسر مسٹر ہوانڈ گر بھی مقیم تھے۔ آپ اس سے پیشتر بھی ایک بار جامعہ آچکے ہیں۔ جامعہ کے کاموں کے دیکھنے اور کارکنان جامعہ سے ملنے کے بعد آپ پر ہندوستان کے مسلمانوں کا بہت اچھا اور گہرا اثر پڑا ہے اس سے پہلے آپ کو صرف بنگال کے مسلمانوں کا تجربہ تھا، لیکن شمالی ہند کی اس سیر کے بعد آپ ہندوستان میں اسلام کا نہایت گہرا نقش اپنے دل پر لے گئے ہیں۔ اپنے ایک خط میں لکھتے ہیں :۔

"میں نے وہ چند دن نہایت خوشی اور مسرت سے بسر کئے، کاش ایسے ہی اور دن گزارنے کو ملتے! ان چند دنوں میں میں نے اسلام کو جیسا سمجھا مجھے اس سے پیشتر کبھی اسکا موقعہ نہیں ملا تھا اب میں سمجھتا ہوں کہ ہندوستان کی آیندہ تہذیب میں اسلام کا بھی بہت بڑا حصہ ہوگا۔ میں چاہتا ہوں کہ وہ جذبات وخیالات جو جامعہ ملیہ میں پائے جاتے ہیں، کاش ہندوستان کے دوسرے حصوں اور گوشوں میں پھیل جاتے!"

آپ کے علاوہ گزشتہ ہفتہ امریکہ کے ایک اور ممتاز شخص پروفیسر آگنگ مع اپنی بیوی کے جامعہ دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔ آپ ہارورڈ یونیورسٹی (امریکہ) کے ایک بہت مشہور اور لائق پروفیسر ہیں اور امریکہ کے چند ممتاز فلاسفہ میں سے ہیں، آپ بچوں کی تعلیم کے اس مخصوص طریقہ تعلیم کے بانیوں میں سے بھی ہیں جو ہمارے یہاں ابتدائی جماعتوں میں "مقصدی طریقہ" (یا پروجکٹ میتھڈ) کے نام سے رائج ہے۔ آپ اور آپکی بیوی جو خود بھی تعلیم سے بہت دلچسپی رکھتی ہیں، جامعہ کے کاموں کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں اور دوبارہ دیکھنے کی خواہش کا اظہار فرمایا۔

آپ ہندوستان میں اُس کمیشن کے ساتھ آئے ہوئے ہیں جو عیسائی مبلغین کے کاموں کی تحقیقات کے لئے آیا ہے۔

ان کے علاوہ اور دوسرے بزرگوں نے بھی جامعہ کو اپنی تشریف آوری سے ممنون فرمایا اور جامعہ کے کاموں سے اپنی پسندیدگی کا اظہار فرما کر کارکنان جامعہ کی ہمت افزائی فرمائی۔ ان بزرگوں میں سر محمد یعقوب صاحب ممبر اسمبلی، خان بہادر قاضی عزیزالدین صاحب، میر ولایت حسین صاحب، مولوی اکرام اللہ خاں صاحب، مولوی طفیل احمد صاحب مولوی ابن حسن صاحب ایم اے اور غلام قادر معلم صاحب جو رنگون کے ایک تاجر اور جامعہ کے ہم درد ہیں۔ ان بزرگوں کی تشریف آوری اور جامعہ کے کاموں کے ساتھ دلچسپی یقیناً کارکنان جامعہ کے لئے بہت تقویت اور حوصلہ افزائی کا موجب ہوگی۔

نبیوں کے قصے

مُصنّفہ

جناب خواجہ عبدالحیٔ صاحب فاروقی اُستاذ جامعہ

حضرت آدم سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام نبیوں کے حالات لکھے ہیں کتاب چونکہ خاص طور پر بچوں کے لئے لکھی گئی ہے اس لئے زبان بڑی صاف اور شیریں ہے۔ مسلمان بچے عام طور پر انبیاء کرام کے حالات سے ناواقف رہتے ہیں کیونکہ اُن کے لائق ایسی دلچسپ کتابیں موجود نہیں جنہیں وہ شوق سے پڑھ سکیں۔ نبیوں کے قصے بچے بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

قیمت صرف چھ آنے

مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی

ایک نادر موقع

[illegible] چاهتی هیں [illegible]

[illegible]

[illegible] اشتهار [illegible] موقع هی

تعداد اشاعت	پورا صفحه	نصف صفحه	چوتهائی صفحه	تعداد اشاعت	پورا صفحه	نصف صفحه	چوتهائی صفحه
ایک بار	٤ روپیه	٢ روپیه [illegible]	[illegible]	ایک بار	٦ روپیه	٣ روپیه ٨ آنه	٢ روپیه
تین بار	٩ روپیه	٥ روپیه [illegible]	[illegible] ٨ آنه	تین بار	٢١ روپیه	١٢ روپیه ٨ آنه	[illegible] روپیه
چهه بار	١٥ روپیه	٩ روپیه	٤ روپیه	چهه بار	٥٠ روپیه	٣٢ روپیه	١٥ روپیه
باره بار	٢٥ روپیه	١٥ روپیه	٧ روپیه	چهه [illegible]	٨٠ روپیه	٤٥ روپیه	[illegible]

(١) مندرجه بالا [illegible] اجرت [illegible]

(٢) [illegible] اخلاق [illegible]

[illegible] اسلامیه [illegible] مشهور [illegible] ٩٦ صفحات

تلاش حق

[illegible]

مهاتما گاندهی جی کی خود نوشت سوانح عمری جسکا ترجمه [illegible]

اردو میں تلاش حق کی نام سی کیا هی۔ اسکی هر دو جلد قیمت ٢ روپیه هر [illegible]

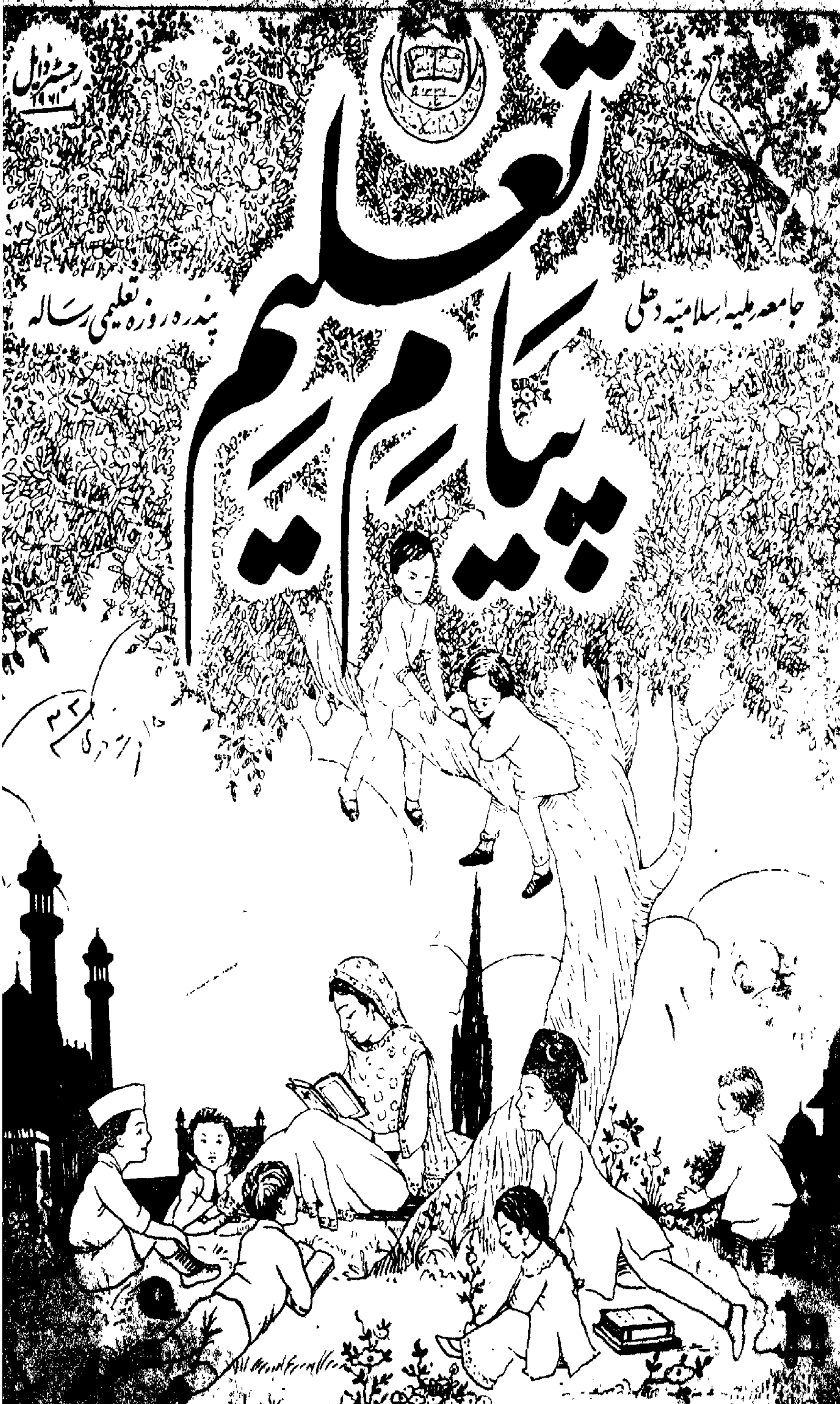
جو

رساله جامعه کی دو یا پیام تعلیم کی پانچ نئی سالانه خریدار بنائی

رساله جامعه قیمت سالانه ٥ روپیه پیام تعلیم قیمت ٢ روپیه ٨ آنه

خاص صورتوں میں کمیشن کی متعلق منیجر سی خط و کتابت کریں۔

[illegible]



رجسٹرڈ ایل ۱۹۷۱
پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
۱۵ فروری ۳۲

بچوں کے لئے

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

تاریخ اسلام کا جدید نصاب علما اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہمارے نبی** قرار دی گئی ہے جو اب تک یوں بھی تقریباً پچاس ہزار فروخت ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب اب **نبیوں کے قصے** قرار دی گئی ہے جس میں تمام انبیا کے حالات قرآن کریم سے بیان کئے گئے ہیں [illegible]

بچوں میں [illegible] سب سے زیادہ [illegible]

کتاب **سرکار دو عالم** [illegible]

کتاب **خلفائے اربعہ** اور پانچویں **ناموران اسلام** [illegible]

سب [illegible] بھی وسعت دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں ناموران اسلام خصوصاً [illegible]

[illegible] تمام مشاہیر کے حالات آگئے ہیں [illegible] ثابت ہوگا۔

ہمارے نبی جماعت دوم ۴ر **نبیوں کے قصے** جماعت سوم ۵ر **سرکار دو عالم** جماعت چہارم ۶ر

خلفائے اربعہ جماعت پنجم ۱۰ر **ناموران اسلام** جماعت ششم ۱۲ر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ دہلی

پیام تعلیم

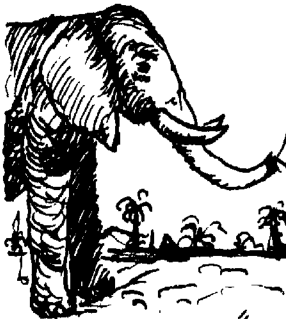
قیمت سالانہ
عـ۱ر

قیمت فی پرچہ
۲ر

جلد ۱۱ | ۱۵ر فروری سنہ ۱۹۳۲ء | نمبر

فہرست مضامین

طابع و ناشر ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے، پی، ایچ ڈی　　ایڈیٹر سعید انصاری بی اے (جامعہ) (مطبوعہ جامعہ برقی پریس دہلی)



چڑیا اور ہاتھی



ایک چھوٹی سی چڑیا تھی۔ اس نے اپنا گھونسلا جنگل میں ایک درخت پر بنایا تھا۔ اور اپنے بچّوں کے ساتھ رہتی تھی۔

ایک دن ایک بڑا جنگلی ہاتھی اُدھر آنکلا اور اپنے جسم کو اس درخت سے رگڑنا شروع کیا۔ درخت ہلنے لگا۔ چڑیا کے بچّے ڈرے۔ چڑیا فوراً گھونسلے سے باہر آئی اور ہاتھی سے کہنے لگی "اے لمبی سونڈ والے! اس جنگل میں اور بہت سے درخت ہیں میرے اس درخت سے خدارا

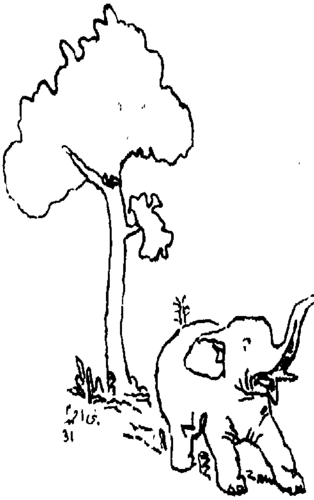


اپنے جسم کو مت رگڑ۔ میرے بچّے مارے خوف کے مرے جاتے ہیں۔"

لیکن ہاتھی ہنسا، اور اگلے روز پھر اسی درخت سے اپنے آپ کو رگڑنا شروع کیا۔ چڑیا پھر گھونسلے سے باہر آئی اور کہنے لگی "دیکھو اے ہاتھی! میں ابھی سے کہے دیتی ہوں کہ اگر تو نے دوبارہ پھر ایسا کیا تو میں تجھ سے بدلہ لئے بغیر نہ رہوں گی" ہاتھی بہت زور سے ہنسا۔ اور کہنے لگا "تو میرا کیا بگاڑ سکتی ہے؟ اگر میں نے اپنا ایک پیر بھی تجھ پر رکھ دیا تو تو دم کے دم میں مر جائے گی، اور اگر اپنی سونڈ سے ایک پھونک مار دوں تو تو ایک میل پر جا کر گرے گی۔ تو چھوٹی سی چڑیا مجھ سے بدلہ لے گی! اچھا میں دیکھوں گا۔"

ہاتھی ہنستا ہوا چلا گیا۔ اگلے روز وہ پھر آیا اور اُسی درخت سے رگڑنا شروع کیا۔ چھوٹی چڑیا پھُر سے اس کے کان میں اندر گھس گئی۔ اور اپنے پَر پھڑپھڑانے لگی، ہاتھی مارے پریشانی کے تقریباً پاگل ہو گیا۔ اور منّت سماجت کرنے لگا کہ "خدارا باہر آجاؤ"۔ مگر چڑیا نے کہا کہ میں نے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ میں بدلہ لئے بغیر نہ رہونگی اور اب تو میں بدلہ لے کر چھوڑونگی۔

ہاتھی تمام جنگل میں اِدھر اُدھر بھاگتا پھرا۔ لیکن چڑیا اس کے کان میں اپنے پَر پھڑپھڑاتی ہی رہی۔ آخر کار ہاتھی نے خوشامد سے کہا "میری اچھی چڑیا! مجھے معاف کرو۔ اب میں ہرگز تمہارے



درخت سے اپنے جسم کو نہ رگڑوں گا"
چڑیا نے کہا" ٹھیک وعدہ کرتے ہونا؟"
ہاتھی نے کہا" ہاں بالکل ٹھیک"
چڑیا نے کہا" اچھا میں باہر آتی ہوں لیکن یاد رکھو کہ اگر تم نے پھر ایسا کیا تو میں تمہاری جان لے کر چھوڑوں گی"
چڑیا کان سے نکل کر" پھُر" سے اپنے بچوں کے پاس چلی گئی، اور ہاتھی پھر کبھی اُس درخت کے پاس نہیں گیا۔

(بقیہ صفحہ ۵)

آتا ہے کہ ظالم انسان ان کے گھروں کو جو انھوں نے بڑی محنت و جانفشانی کے ساتھ بنایا تھا، تباہ و برباد کر کے اپنی غرض کے لئے ان کی کہ ئی لے لیتا ہے اور زبان کے ذائقہ کے لئے استعمال کرتا ہے

خلیفہ عبدالملک اور ایک اجنبی

خلیفہ عبدالملک بن مروان، خاندان بنی امیہ میں پانچواں خلیفہ گذرا ہے، ۶۵ھ میں یعنی آن حضرت صلعم سے ۵۴ سال بعد تخت خلافت پر بیٹھا تھا، اور نہایت ہی شان و شوکت سے خلافت کی،

خلیفہ عبدالملک جب بادشاہ ہوا تو ایک دن کا واقعہ ہے کہ ایک اجنبی شخص اس کے دروازے پر آیا اور اس نے اندر جانا چاہا۔ مگر دربان جو کہ دروازے پر ہر وقت کھڑا رہتا تھا اس نے روکا۔ اُس اجنبی شخص نے کہا" میں عبدالملک کا بھائی ہوں تو مجھے کیوں روکتا ہے" لیکن دربان نے اندر جانے نہ دیا، اجنبی شخص نے کہا" اچھا تو میرا ایک پیغام پہنچا دے" دربان نے کہا" ہاں جو کچھ تم کہو گے میں خلیفہ تک پہنچا دونگا" اجنبی شخص نے کہا" عبدالملک سے جا کر کہو کہ تمہارا بھائی آیا ہوا ہے اور دروازے پر کھڑا ہے" دربان اندر گیا اور شاہانہ آداب بجالانے کے بعد اس نے ہاتھ باندھکر عرض کیا کہ" ایک اجنبی شخص دروازے پر کھڑا ہے اور اس نے کہا ہے کہ خلیفہ سے کہدو کہ اس کا بھائی آیا ہوا ہے"

عبدالملک بہت ہی سمجھدار تھا، فوراً سمجھ گیا کہ کوئی سائل ہے۔ حکم دیا کہ ایک دینار دیدیا جائے۔ دربان نے ایک دینار لیجا کر دیا۔ وہ شخص بہت ہی ناخوش ہوا اور بگڑ کر کہا میں خلیفہ کا بھائی ہوں اور مجھے صرف ایک دینار دیا جاتا ہے! میں نہیں لونگا واپس لیجاؤ اور عبدالملک سے کہو کہ بھائی کا بھی حصہ ہوتا ہے" دربان واپس گیا اور خلیفہ سے بیان کیا کہ" وہ شخص بہت ناخوش ہوا اور ایسا کہا ہے" عبدالملک بڑا ہی عقلمند تھا اس نے کہا کہ" دینار لیجا کر میرے بھائی کو واپس دو اور کہو کہ چپکے سے لیکر چلے جائیں، ورنہ اگر میرے دوسرے بھائیوں کو خبر ہوگی اور وہ بھی حصہ طلب کرنا شروع کریں گے تو دینار کیا ایک ایک درہم بھی حصے میں



شہد کی مکھی



بھائیو! تم نے تو شہد کی مکھی غالباً ضرور دیکھی ہوگی۔ یہ بھی جانتے ہوگے کہ ان میں بعض بڑی اور بعض چھوٹی ہوتی ہیں۔ یہ بھی آزمایا نہیں تو سنا ضرور ہوگا کہ یہ کاٹتی بھی ہیں۔ ان کی محنتوں کا پھل بھی تم نے ضرور چکھا ہوگا۔ آؤ اس کے متعلق کچھ ہم اور باتیں معلوم کریں۔

چھتّے کو بغور دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ شہد کی مکھی تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک کو نر مکھی، دوسری اور تیسری کو کام کرنے والی کہتے ہیں۔ نر مکھی اپنے موٹے بدن کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ اس کا سر گول اور زیادہ چپٹا ہوتا ہے اور پیٹ بہت ہی چھوٹا ہوتا ہے۔ اس کی سب سے بڑی پہچان یہ ہے کہ اس کے ڈنک نہیں ہوتا اور اس کے اُڑنے میں بھنبھناہٹ کی آواز ہوتی ہے۔ رانی مادہ ہونے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہے۔ یہ تینوں میں سب سے بڑی ہوتی ہے اس کا پیٹ بھی اوروں کی بہ نسبت بڑا ہوتا ہے۔ اس کے ایک ڈنک بھی ہوتا ہے۔ کام کرنے والیاں اپنے چھوٹے ہونے کی وجہ سے پہچانی جاتی ہیں۔ ان کا رنگ بھورا ہوتا ہے۔ ان کے بھی ڈنک ہوتے ہیں اور ان کے لمبی لمبی سونڈ ہوتی ہے۔ ان کے پاؤں کی خاص بناوٹ ہوتی ہے جو سبزی اور دوسری چیزوں سے اپنی غذا حاصل کرنے میں کام آتے ہیں۔ ان کا کام اپنی جماعت کے تمام مشکل کاموں کو انجام دینا ہوتا ہے۔ دوسری مکھیوں سے خوراک اور دوسری چیزیں حاصل کرنا، ان کو اپنے چھتّے میں لانا، اُن کو مختلف مقاصد کے لئے استعمال کرنا، رانی کی خدمت کرنا اور اس کی تمام خواہشوں کو پورا کرنا، اپنے قبیلے کے مختلف دشمنوں کے خلاف مہمان نوازی کرنا۔ غرضیکہ چھتّے کی سب مکھیوں کی زندگی انھی کے دم سے قایم رہتی ہے۔

شہد کی مکھی تین حالتیں بدلنے کے بعد اپنی اصلی حالت اختیار کرتی ہے۔ جب یہ تیسری حالت میں آتی ہے تو اس کے چھے ٹانگیں نکل آتی ہیں۔ ان ٹانگوں کے سروں پر چھوٹے چھوٹے آنکڑے ہوتے ہیں جن کی مدد سے مکھی اپنے گھر پر چلتی ہے۔ اس کے سر پر بال سے بھی زیادہ باریک دو سینگ سے ہوتے ہیں جن کی مدد سے وہ ہر چیز کو محسوس کرتی ہے۔ دونوں طرف دو بازو ہوتے ہیں۔ سینے، پیٹ اور ٹانگوں میں روئیں جم جاتے ہیں۔ نیچے کا ہونٹ لمبا ہو کر سونڈ کی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ جس کی مدد سے مکھی اپنی غذا پھولوں اور دوسری رس دار چیزوں سے حاصل کرتی ہے۔ یہ وہی غذا ہے جسے ہم شہد کہتے ہیں۔ جب مکھی رس چوستی ہے تو کچھ رس تو اس میں وہ کھا جاتی ہے اور کچھ بچا کر ایک چھوٹی سی تھیلی میں گھر لے آتی ہے۔ چونکہ کام کرنے والیوں ہی کے اوپر ساری مکھیوں کا دارومدار ہے اس لئے قدرت

نے انھیں دو چھوٹی چھوٹی تھیلیاں دے رکھی ہیں جو اوروں کے نہیں ہیں۔ یہ مکھیاں ان خانوں میں غبار سمیٹ کر بھر لیتی ہیں اور اپنے بچوں کو کھلاتی ہیں۔

یہ بھی معلوم ہے کہ کام کرنے والیوں کے پاس ایک ایک ڈنک ہوتا ہے اور اس سے وہ مصیبت کے وقت کام لیتی ہیں لیکن کس طرح سے؟ وہ بھی دیکھئے۔ ہر ایک ڈنک میں دو بہت ہی باریک برچھیوں کی طرح آرے ہوتے ہیں۔ یہ آرے ایک میان میں ہوتے ہیں اور وہ میان ایک زہر کی تھیلی سے لگی ہوتی ہے جو مکھی کے پیٹ میں ہوتی ہے۔ جب وہ کبھی اپنے دشمن کو ڈنک مارنا چاہتی ہے تو میان سے ڈنک نکال کر فوراً چبھو دیتی ہے پھر ان تیز برچھیوں سے اس زخم کو گہرا اور بڑا کرتی ہے۔ اس کام کو انجام دیتے وقت زہر کی تھیلی کچھ ترچھی ہو جاتی ہے جس سے زہر بہہ نکلتا ہے اور وہ آکر زخم میں گرتا ہے۔ زہر کے جسم میں داخل ہوتے ہی درد شروع ہو جاتا ہے لیکن اس عرصہ میں مکھی بھی اتنی تھک جاتی ہے کہ پھر وہ زندہ نہیں رہتی۔ اسی لئے لوگ کہتے ہیں کہ شہد کی مکھی صرف ایک ہی مرتبہ ڈنک مارتی ہے۔

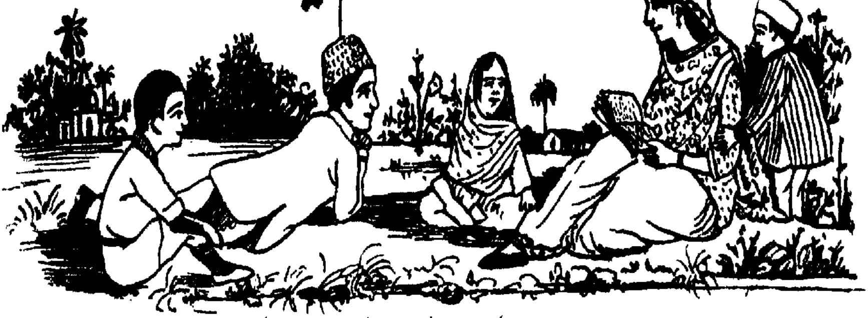
اب ذرا رانی کی بھی کیفیت سن لو۔ یہ صرف ایک چھتے میں ایک ہی ہوتی ہے۔ اس کا کام صرف انڈے دینا ہے۔ یہ بعض بعض دن دو دو تین تین سو انڈے دیتی ہے۔ لیکن اس ترتیب سے کہ ہر خانہ میں ایک سے زیادہ انڈا نہیں ہوتا۔ پھر ان انڈوں کی شکل بہت چھوٹے چھوٹے کیڑوں کی سی ہو جاتی ہے جن کو کام کرنے والیاں غبار اور شہد میں پانی ملا کر کھلاتی ہیں۔ یہ کھا کھا کر پانچ دن میں اس قدر بڑے ہو جاتے ہیں۔ کہ پورا خانہ ان سے بھر جاتا ہے۔ پھر کام کرنے والیاں ہر ایک خانہ کا منھ بند کر دیتی ہیں۔ اس خانہ میں وہ شہد کی مکھی کی شکل تبدیل کر لیتے ہیں اور وہ خانہ آپ سے آپ کھل جاتا ہے۔ رانی کو کام کرنے والیاں ہر وقت محبت کی نگاہ سے دیکھتی اور اس کی حفاظت کرتی رہتی ہیں۔

اب ذرا نر مکھیوں کا حال بھی سن لو۔ یہ حضرت کوئی کام کاج نہیں کرتے۔ دن بھر کاہل انسانوں کی طرح اپنے خانے میں پڑے اینڈا کرتے ہیں۔ یا کبھی طبیعت میں آگئی تو خانوں سے نکل کر اڑنے لگ گئے۔ بیٹھے بیٹھے کام کرنے والی مکھیوں کی کمائی کھاتے ہیں اور دوسروں کی محنت و مشقت کا تماشہ دیکھتے رہتے ہیں۔ اس لئے کام کرنے والیاں ایک زمانہ میں انھیں مار ڈالتی ہیں۔ ان کی جگہ پڑ کرنے کے لئے دوسرے پیدا ہو جاتے ہیں۔

ہم نے ابھی یہ پڑھا ہے کہ کام کرنے والیوں ہی کی بدولت شہد کی تمام مکھیاں زندہ رہتی ہیں۔ چنانچہ جہاں یہ اور دوسرے کام کرتی ہیں وہاں موم بنانا بھی انھی کا کام ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ شہد کی مکھیوں کا غلیظ جمع ہوتا رہتا ہے۔ اور جب شہد نکالتے وقت اس کا چھتا نچوڑا جاتا ہے تو وہی موم کی شکل اختیار کر لیتا ہے یہ بالکل غلط ہے۔ بلکہ کام کرنے والیاں اپنے پیٹ کے ایک خانہ میں خود موم تیار کرتی ہیں اور اسی موم سے ان کا چھتا بھی تیار ہوتا ہے۔ یعنی بیچ میں ایک کچھ لمبی اور چوڑی پٹھے جیسی شکل کی ایک پٹڑی ہوتی ہے اس کے دونوں طرف خانے ہوتے ہیں جن میں کام کرنے والیاں بچوں کو کھلانے کے لئے شہد اور غبار جمع کرتی ہیں۔ جس قدر بچے زیادہ ہوتے ہیں اسی قدر خانے زیادہ ہوتے جاتے ہیں اور اسی طرح سے چھتا روزانہ بڑھتا رہتا ہے۔ چنانچہ ایک دن

[illegible]

فاطمہ اور رحیم الدین



دوسری رات کو دونوں بھائی بہن پھر باپ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ وہ سمجھتے تھے کہ باپ کل کی طرح انسانی زندگی کی کہانی سُنائے گا۔ مگر باپ نے کسی قسم کی آمادگی نہیں ظاہر کی۔ فاطمہ کو اس پر تعجب ہوا، پہلے تو وہ سمجھی کہ باپ کسی بات پر ناراض ہو گیا ہے مگر پھر وہ مسکرائی، اور باپ کے گلے میں ہاتھ ڈال کر کہا ۔

"اباجان پھر سنائیے"

باپ نے پوچھا "کیا سناؤں؟"

"وہی جو آپ کل سنا رہے تھے"

باپ نے کہا: وہ قصہ تو ختم ہو گیا میں نے تم کو بتا دیا کہ کہ انسان بستیوں میں کیسے آباد ہوتے ہیں۔ اب اس کے آگے کیا ہو سکتا ہے؟"

رحیم الدین ذرا ہچکچا کر بولا "مگر آپ نے تو کہا تھا کہ لوگوں کو ایک بہت بڑی دشواری پیش آتی ہے۔ وہ کیا ہے؟

باپ نے جواب دیا "یہ دشواری لوگ محسوس کرتے ہیں اگر وہ اسے محسوس نہ کریں تو اس کا انھیں سامنا بھی نہیں کرنا پڑتا مثلاً تم اپنے آپ کو دیکھو۔ اگر تم اس بات سے خوش ہو جاؤ کہ تمہیں کھانے پینے، اوڑھنے بچھانے کو مل جاتا ہے، اور اس سے زیادہ تمہیں کسی چیز کی ضرورت محسوس نہ ہو تو تمہاری زندگی بڑی چین سے کٹے گی۔ مگر تم اس دشواری کو نہیں سمجھ سکتے جو انسانوں کو بستیوں میں آباد ہونے کے بعد پیش آتی ہے۔ تمہاری زندگی جانوروں کی سی ہوگی، اور ان دشواریوں کو صرف انسان محسوس کر سکتے ہیں، اور وہی سمجھ سکتے ہیں۔"

رحیم الدین نے بڑے جوش سے کہا "مگر ابا جان میں تو انسان ہوں!"

باپ نے کہا "انسان ہو تو یہ بھی بتا دو گے کہ یہ دشواری کیا ہوتی ہے۔ یہ علم کی بات نہیں ہے، تم یہ بہانہ نہیں کر سکتے کہ ابھی تک ہم کو اسکول میں یہ پڑھایا نہیں گیا۔ یہ بات دل کی ہے اور دل اس کے بھی ہوتا ہے جو کم سن ہو یا پڑھا لکھا نہ ہو۔"

اس وقت اتفاق سے باپ کی نظر فاطمہ پر پڑی۔ اس کی بڑی بڑی بھولی بھالی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئی اندھیرے میں

چمک رہی تھیں۔ باپ نے یہ بھی معلوم کرلیا کہ وہ کسی بات پر غور کر رہی ہے، وہ سمجھ گئی ہے مگر سمجھا نہیں سکتی، کچھ دیر وہ بہت پیار سے فاطمہ کو تکتا رہا، فاطمہ کے ہونٹ ہل رہے تھے، مگر زبان پر کوئی بات نہیں آتی تھی، باپ کو اس ننھے سے دل و دماغ پر بڑا ترس آیا اور اس نے مسکرا کر کہا،

"بھئی یہ بھی کسی کو یاد ہے کہ ہم نے یہ باتیں شروع کیسے کی تھیں؟"

فاطمہ مسکرا کر رہ گئی، رحیم الدین نے سر جھکا لیا، باپ نے ان کے انداز سے سمجھ لیا کہ انھیں یاد ہے، اور اس نے تھوڑی دیر بعد کہا،

"تم دونوں میں لڑائی ہوئی تھی، تم دونوں کو لڑائی سے بڑی تکلیف ہوئی، مجھے برا معلوم ہوا لیکن اگر تم دونوں کو صرف اسکی ضرورت ہوتی کہ بھوک لگے تو کھانا مل جائے اور نیند لگے تو پلنگ تو پھر تم کو لڑائی پر کوئی افسوس نہ ہوتا ایک دوسرے سے کوئی شکایت نہ ہوتی اور تم پہلے کی طرح خوش رہتے، اس لئے کہ تمہارا کھانا پینا تو کسی نے بند کیا نہیں تھا، لیکن ایسا نہیں ہوا بہن کو اس کا دھوکا رہا کہ بھائی اس سے خفا ہے، بھائی کو اس کا افسوس کہ بہن اس کی خاطر نہیں کرتی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے پینے اور آرام سے رہنے کے علاوہ انسان کی اور ضرورتیں بھی ہوتی ہیں جو اگر پوری نہ ہوں تو انسان کی زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، چاہے اسے کتنا ہی اچھا کھانا ملے، اور وہ کتنے ہی آرام سے رہتا ہو۔ کیوں فاطمہ، یہ ٹھیک ہے نا؟

فاطمہ نے بڑے زور سے سر ہلایا، باپ کو اور کسی جواب کا انتظار نہیں تھا، اور اس نے کہا:

"کھانے پینے اور رہنے سہنے کے آرام سے جو ضرورتیں پوری ہوتی ہیں انھیں جسمانی کہتے ہیں، یہ جانوروں اور انسانوں کے لئے ایک سی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ انسان اپنی ضرورتوں کو بڑھاتا رہتا ہے، جانوروں کے لئے وہ ہمیشہ ایک سی رہتی ہیں۔ ان کے علاوہ جو ضرورتیں ہوتی ہیں انھیں روحانی کہتے ہیں۔ ان سے پیٹ نہیں بھرتا، نیند زیادہ میٹھی نہیں ہوتی، مگر جب تک آدمی ان ضرورتوں کو محسوس نہ کرے تب تک وہ جانور ہی رہتا ہے، انسان نہیں ہوتا۔ اب دیکھو یہ ضرورتیں کیسی ہیں، میں نے انسان کی کہانی خاندان سے شروع کی تھی، اور یہ بھی بتایا تھا کہ خاندان میں رہنے سے کونسی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ خاندان جانوروں میں بھی ہوتا ہے، لیکن جب بچے بڑے ہو گئے تو خاندان ٹوٹ جاتا ہے جانوروں میں بھی ماں باپ کو اپنے بچوں سے محبت ہوتی ہے، مگر خدا نے کچھ ایسا انتظام کیا ہے کہ بچے بڑے ہوئے تو یہ رشتہ بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ آدمی کو ماں کے سہارے کی بہت مدت تک ضرورت رہتی ہے، اس لئے خدا نے آدمیوں کے دلوں میں ایک ایسی صفت پیدا کر دی ہے کہ ان میں ماں باپ اور اولاد کبھی ایک دوسرے سے جدا نہیں ہوتے۔ بتاؤ، یہ کونسی صفت ہے؟"

فاطمہ بہت آہستہ سے بولی "محبت" اور پھر شرما کر اپنا منہ ہاتھوں سے چھپا لیا، باپ نے کہا:

"ہاں، بالکل ٹھیک کہا۔ اور اگر تم سوچو تو تمہیں معلوم ہو جائیگا کہ محبت، خاندانی زندگی اور خود انسان کے کھانے پینے کی چیزوں سے بھی زیادہ ضروری ہے۔ مجھے تم دونوں سے اگر محبت نہ ہوتی

تو مجھے کوئی فکر نہ ہوتی، کسی طرح سے اپنا پیٹ بھر لیتا اور دن بھر پڑا سویا کرتا۔ اور اگر تم کو مجھ سے محبت نہ ہوتی تو تم میری بالکل پرواہ نہ کرتے، میرے دل کو خوش نہ کرتے، اور یہ کوئی تعجب کی بات نہ ہوتی اگر میں بھی تم سے محبت کرنا چھوڑ دیتا، اور ہم سب الگ ہو جاتے لیکن تمہیں اسکی ضرورت ہے کہ تم سے کوئی محبت کرے، تمہاری پرورش کرے، تمہیں لکھائے پڑھائے۔ مجھے اس کی خواہش ہے کہ مجھے کوئی چاہنے والا ہو جس کے لئے میں محنت کروں۔ ایسا ہی ہر خاندان میں ہوتا ہے۔ اور جن لوگوں میں کوئی خاندانی رشتہ نہیں ہوتا وہ بھی کسی نہ کسی کی محبت کا سہارا ڈھونڈھتے ہیں۔ اس کے بغیر زندگی کاٹے نہیں کٹتی۔"

رحیم الدین نے پوچھا: "تو ابا جان کیا ایک بستی میں جتنے لوگ ہوتے ہیں انھیں ایک دوسرے سے محبت ہوتی ہے؟"

"نہیں۔ سب کو اگر ایک دوسرے سے محبت ہوتی، اور سب بھائی بہنوں کی طرح رہتے تو زندگی بہت لطف سے گزرتی مگر ایسا نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے بستی میں آباد ہونے کے بعد بڑی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ جیسے ایک گھر میں بھائی بہن کی لڑائی ہو جاتی ہے، ویسے ہی بستیوں میں لوگ ایک دوسرے سے لڑتے ہیں پھر اس کی ضرورت ہو جاتی ہے کہ ان کے جھگڑوں کا کوئی فیصلہ کرنے والا ہو، اور ایک قانون ہو جس کے مطابق فیصلہ کیا جا سکے، نہیں تو سب سمجھیں گے کہ ان پر ظلم ہو رہا ہے۔ خیر، یہ تو کوئی ایسی بری بات نہیں، لیکن قانون کے ساتھ سزائیں بھی مقرر کی جاتی ہیں نہیں تو کسی کو قانون کی پرواہ نہ ہو۔ یہ سچ مچ بہت بری بات ہے۔"

رحیم الدین نے پھر پوچھا: "اور یہ قانون کون بناتا ہے؟"

باپ نے جواب دیا: "قانون سب ایک ساتھ نہیں بنتے اور ان کا کوئی ایک بنانے والا بھی نہیں ہوتا۔ پرانے زمانہ کا ہم کو جتنا حال معلوم ہے اس سے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ سب سے پہلے ہر خاندان کا باپ خاندان کے جھگڑوں کا فیصلہ کرتا تھا، اور اگر دو الگ الگ خاندانوں کا کوئی معاملہ ہوا تو خاندانی بزرگوں کی ایک پنچایت فیصلہ کرتی تھی۔ اسی طرح سے رسمیں قائم ہوئیں، اور پھر انھیں کو قانون بنا لیا گیا۔ جب تک ایک نسل کے لوگ ساتھ رہتے ہیں تب تک رسم کی پابندی ہوتی ہے۔ جب ایسی بستیاں آباد ہوتی ہیں جن میں مختلف خاندانوں اور نسلوں کے لوگ مل کر رہتے ہیں تو سب کی رسموں میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر قانون بنائے جاتے ہیں اور پھر اگر کوئی اس قانون کے خلاف کرتا ہے تو اسے سزا دی جاتی ہے۔"

(باقی آئندہ)

(صفحہ ۱۱ کا بقیہ)

اندر سے "المدد، المدد" کی آواز آئی۔ اب تو انھیں یقین ہو گیا کہ وہ یہیں ہیں۔ فوراً ان سب ساتھیوں نے برف کو ہٹانا شروع کیا چند ہی گھنٹوں میں ساری برف کو ایک طرف اٹھا کر پھینک دیا اور اندر سے تینوں دوستوں کو صحیح سلامت نکال لیا۔ وہ تینوں بھوک اور سردی کی وجہ سے بہت کمزور ہو گئے تھے، لیکن یہ غیر متوقع مدد سے اس قدر خوش ہوئے کہ ان کی تمام کمزوری غائب ہو گئی اور ہشاش بشاش نظر آنے لگے۔

اس طرح ان کو سرخ جھنڈی کی وجہ سے اس مصیبت سے نجات ملی اور سب دوست خوشی خوشی گھر واپس آگئے۔

سرخ جھنڈی



محمود نے دیکھا کہ اب سمجھانے سے کام نہیں چلیگا۔ ڈانٹ کر کہا "بے وقوف اُٹھ کھڑے ہو اور ہاتھ پکڑ کر چل"۔ بڑی دقت سے احمد اور محمود کے ہاتھ پکڑ کر چلنے لگا۔

اب بالکل اندھیرا چھا گیا تھا۔ اور ایک گز بھی راستہ دکھائی نہ دیتا تھا۔ احمد بھی ڈرنے لگا اور چلانا شروع کیا کہ شاید کوئی مدد کو پہنچے۔

محمود نے ڈانٹ کر کہا "چلانے سے کوئی فائدہ نہیں ہم لوگوں کو جلدی سے کوئی تدبیر سوچنی چاہیئے۔ میرا تو خیال یہ ہے کہ ہم لوگ رات یہیں کسی جگہ گزاریں، صبح ہم راستہ ڈھونڈ لیں گے،

احمد نے کہا "ہم یہاں سوئیں گے تو مر ہی جائیں گے"۔

محمود نے پھر ڈانٹ کر کہا "تم تو بڑے بزدل ہو رہے ہو اور لڑکیوں کی طرح ڈرتے ہو ہم کو اس وقت ہمت سے کام لینا چاہیئے"

محمود نے یہ کہہ کر ایک تجویز کی کہ یہ دیوار کچی ہے اس کے پتھر نکال کر اس کے ساتھ ہی دو چھوٹی سی دیواریں بنالیں۔ چنانچہ تینوں دوستوں نے پتھر جمع کئے۔ نصف گھنٹہ میں دو دیواریں ایک پر ایک پتھر رکھ کر تیار کرلیں۔ اب وہ ایک اتنا بڑا کمرہ تیار ہوگیا تھا کہ تینوں آسانی سے اس میں رات گزار سکیں۔ لیکن اب تک چھت نہیں پڑی تھی یہ خیال ہوا کہ چھت ضروری ہے، ورنہ وہ برف سے تربتر ہو جائیں گے۔ نصیر کو وہیں بٹھا کر محمود اور احمد کچھ لکڑیاں اور گھاس لانے کے لئے گئے تاکہ چھت بنائیں۔

تھوڑی دیر میں وہ کامیاب واپس ہوئے، اور انھوں نے ان لکڑیوں اور گھاس کی مدد سے ایک اچھی چھت تیار کرلی تینوں دوست اب آرام سے اس کمرہ میں لیٹ گئے اور تھوڑی ہی دیر میں گہری نیند میں سو گئے۔ رات بھر برف باری ہوتی رہی اور تیز ہوا بھی چلتی رہی، لیکن ان کو کچھ خبر نہ تھی۔ جھونپڑی برف سے بالکل ڈھک گئی تھی، اب صبح ہو چکی تھی لیکن اندھیرے کی وجہ سے پتہ نہ چلتا تھا۔ احمد سب سے پہلے جاگ گیا۔ اس نے محمود سے پوچھا "کیا تم جاگ گئے" محمود نے کہا "ہاں جاگ گیا ہوں، کہو کیا صبح ہوگئی" احمد نے جواب دیا "ہاں صبح ہوگئی ہوگی اس لئے کہ ہم بہت دیر سے سو رہے ہیں اور کسی قدر روشنی بھی معلوم ہوتی ہے" رات بھر کی شدت کی برف باری کی وجہ سے ان کی جھونپڑی پر بہت اونچائی تک برف چڑھ گئی تھی۔ وہ دن کی روشنی کسی طرح نہیں دیکھ سکتے تھے، اس برف کی کثرت کی وجہ سے ہوا بھی جھونپڑی میں نہیں پہنچ سکتی تھی، ہوا بند ہونے کی وجہ سے یہ لوگ گھبرانے لگے محمود کو خیال ہوا کہ کسی طرح جھونپڑی کے سرے تک سوراخ کرنا چاہیئے ایک ترکیب اس کی سمجھ میں آئی اور اس نے چند لکڑیوں کو جو اس میں بے کار رکھی ہوتی تھیں، علیحدہ نکال لیا اسکی وجہ سے ان لکڑیوں پر جو برف تھی وہ گرنی شروع ہوئی اور وہ جگہ برف کے

گرنے کی وجہ سے کھوکھلی ہوگئی۔ محمود نے ایک لکڑی کو اس کھوکھلی جگہ میں زور سے گاڑ دیا اس سے برف اور زیادہ گرنے لگی۔ لیکن محمود نے دو تین لکڑیوں سے ایک تختہ کی صورت بنا کر گرتی ہوئی برف کو روک دیا۔ کچھ دیر بعد جب برف بالکل جم گئی تو آہستہ سے اس لکڑی کو کھینچا، لکڑی کے نکلتے ہی کمرہ میں روشنی اور ہوا آنے لگی، تینوں کو اس روشنی کے دیکھتے ہی بڑی خوشی ہوئی، لیکن تھوڑی ہی دیر بعد وہ روشنی غائب ہوگئی اور سوراخ بند ہوگیا۔ اس سے ان کو معلوم ہوا کہ ابھی برف باری جاری ہے تقریباً تین دن اسی جھونپڑی میں گزر گئے تھے، چوتھے دن ہر شخص کو اپنے گھر کی بہت زیادہ یاد آنے لگی۔ ہر شخص کو یہ خیال ہوتا تھا کہ ہم کئی روز سے اس جھونپڑی میں ہیں ہمارے اب تک گھر نہ پہنچنے سے نہ جانے کیا حالت ہوگی۔ سب کو یقین ہوگیا ہوگا کہ ہم لوگ برف میں دب کر مر گئے۔

محمود نے دوبارہ پہلی مرتبہ کی طرح سوراخ کرنے کی کوشش کی اور وہ اس مرتبہ بھی اس میں کامیاب ہوگیا۔ سوراخ کے بنتے ہی روشنی اور ہوا آنے لگی اور معلوم ہوا کہ برف باری ختم ہوگئی ہے پہلی لکڑی کو نیچے کھینچ لیا تو اب برف باری ختم ہو چکی تھی اس لئے برف بہت سخت ہوگئی تھی لکڑی کے نکالتے ہی وہ سوراخ ویسے ہی قائم رہا۔ اس نے اس لکڑی کے سرے پر ایک سرخ رومال باندھ کر اس کو اوپر اٹھایا اور اس لکڑی کے ساتھ دوسری لکڑی باندھ دی اور پھر تیسری اور تیسری کے ساتھ چوتھی۔ اس طرح ایک بہت اونچا جھنڈا تیار ہوگیا۔ اب ان کو یقین ہوگیا کہ کوئی نہ کوئی اس جھنڈی کو دیکھ کر ہماری مدد کے لئے ضرور آئے گا۔

محمود، احمد اور نصیر کے والدین کو یقین ہوگیا تھا کہ یہ ضرور برف میں دب کر مر گئے ہیں، ان کے والدین نے بھی ان کو ڈھونڈنا شروع کیا لیکن بہت مایوسانہ طریقہ سے، کیونکہ انھیں یقین ہوگیا کہ اس قدر برف باری کی وجہ سے ان کی لاشیں بھی نہیں ملیں گی۔ محمود کے مدرسہ میں بھی یہ اطلاع ہوگئی تھی کہ محمود مع اپنے ساتھیوں کے کئی روز سے غائب ہے، اور وہ اسی برف باری کی نذر ہوگیا چنانچہ اسکول کے طلبار کی ایک جماعت ان کے ڈھونڈنے کے لئے روانہ ہوئی کئی روز تک یہ لوگ بھی ڈھونڈتے رہے لیکن کہیں پتہ نہ چلا، بالآخر اس جماعت کے ایک طالب علم کو یہ خیال ہوا کہ اس وادی میں دیکھنا چاہئے شاید اندھیرے میں وہاں پہنچ گئے ہوں۔ وہ وادی اپنی خوفناکی کی وجہ سے مشہور تھی اور وہاں کوئی نہ جاتا تھا، اس بات پر جماعت تیار نہ ہوئی۔ لیکن اس طالب علم کو کچھ یقین سا ہوگیا کہ وہ ضرور وہاں پہنچ گئے ہوں گے۔ بڑے اصرار کے بعد تمام لوگ چلنے پر تیار ہوئے۔ خوراک کی ایک کافی مقدار لے کر اس مہم کے لئے روانہ ہوئے۔ پہاڑ سے نیچے اترنے کے بعد بہت دور پر ایک سرخ جھنڈی نظر آئی۔ کوئی شخص اتنی دور پر جانا نہ چاہتا تھا اور وہاں نہ جانے کا بہانہ کرتا تھا۔ کوئی کہتا کہ وہ جھنڈی نہیں ہے کوئی پرندہ ہے۔ لیکن وہی شخص جس کے کہنے پر وہ یہاں تک آئے تھے، اس نے پھر اصرار کیا کہ وہاں ضرور چلنا چاہئے۔ مشکل سے لوگ تیار ہوئے۔ جب اس کے قریب پہنچے تو اس میں کچھ حرکت نظر آئی (وہ جھنڈی کبھی نیچے ہوتی تھی کبھی اوپر) اب ان سب کو یقین ہوگیا کہ ضرور وہ لوگ یہاں ہیں۔ جب بالکل اس جھنڈی کے پاس پہنچے اور انھوں نے اس جھنڈی کو پکڑ لیا تو



اشخاص

طرار، شریر لڑکا۔
صالح، اس کا ہم جماعت اور دوست
اظہار، اس کا ہم جماعت اور حریف
داؤد، اس کا ہم جماعت
سعید، مکتب کا چھوٹا سا بچہ، اظہار کا بھائی
صدر مدرس،
ماسٹر صاحب جو دارالاقامہ کے نگراں بھی ہیں۔
اور لڑکے

پہلا منظر

اسٹیج کے بائیں طرف کے آدھے حصے میں دارالاقامہ کے سونے کا کمرہ ہے۔ جاڑوں کے دن ہیں، رات کا وقت ہے۔ بیچ میں ایک اسٹول پر لیمپ دھیما دھیما جل رہا ہے۔ چار پلنگ بچھے ہیں جن پر لڑکے سوتے نظر آتے ہیں۔ داہنی طرف دیوار ہے اور اس میں روشندان جس کا شیشہ غائب ہے۔ اس دیوار کی پشت پر کھیل کا میدان ہے باہر دیوار کے سہارے زینہ لگا ہے۔ اس پر ایک لڑکا ہاتھ میں پچکاری لیے کھڑا ہے)

اظہار۔ (گھبرا کر اٹھ کھڑا ہوتا ہے) - ہائیں یہ پانی کہاں سے آیا؟ شاید بارش ہو رہی ہے، داؤد، داؤد، اٹھو۔ بوچھار آ رہی ہے پلنگ پکڑا لیں۔ (اٹھ کر داؤد کے پلنگ کے پاس جاتا ہے اور اس کا بازو پکڑ کر جھنجوڑتا ہے) یا اللہ! ایسی بھی نیند کس کام کی؟ (گردن پر پچکاری کی دھار پڑتی ہے) لو پھر بوچھار آئی۔ ارے او داؤد، اٹھتا ہے کہ نہیں (ٹانگ پکڑ کر گھسیٹتا ہے)

داؤد۔ (چونک پڑتا ہے) کیا ہے! کون ہے! ماسٹر صاحب دوڑیئے چور! چور!

اظہار۔ ارے چپ بدحواس! شور کیوں مچاتا ہے؟ چور وور کوئی نہیں۔ اٹھو ذرا پلنگ کھڑوا لو۔ بوچھار آ رہی ہے۔

صالح۔ (آنکھیں ملتا ہوا اٹھتا ہے) لاالٰہ الا اللہ۔ ہیں کیا ابھی سے صبح ہو گئی۔ نماز کی گھنٹی تو بجی نہیں۔

اظہار اجی مولانا! صبح نہیں ہوئی پانی برس رہا ہے۔ آپ کا پلنگ تو الگ ہے۔ یہاں میرے بستر پر روشندان سے بوچھار آ رہی ہے، نیا لحاف بھیگ گیا، فرخ آباد کا چھپا ہوا۔

داؤد جی ہاں فرخ آباد نہیں کشمیر کا چھپا ہوا ہے۔ بدبسی ہے!

جاپانی، دو کوڑی کا۔ ے کے آدمی رات کو جگا دیا کہیں بوچھار نہ اوچھار، نہ پانی، نہ آندھی۔

صالح۔ سچ تو ہے، پانی برسنے کی آواز تک نہیں آئی۔ تم نے خواب دیکھا ہوگا۔

اظہار۔ کیا ایک ایک کر رہے ہو خواب تم دیکھتے ہوگے آنکھیں ہوں تو دیکھ لو۔ میرا لحاف اور کرتا بھیگا ہوا ہے کہ نہیں۔ (داؤد سے) تم نے میرے لحاف کو جاپانی کیسے کہہ دیا۔ جیسے تم نے .....

داؤد۔ (بات کاٹ کر) بے کے آگے تے، تے کے اوپر دو نقطے۔ تمہارا لحاف خاص فرخ آباد کا سہی۔ مجھے سوتے سے کیوں جگا دیا۔ کہہ دیا بوچھار آ رہی ہے۔ بوچھار کا کہیں نام بھی نہیں۔

اظہار (لحاف دکھاتا ہے) نام نہیں، نشان تو ہے۔ اب بند ہوگئی کم بخت۔

صالح۔ زور کا جھالا آیا ہوگا برس کر نکل گیا۔

داؤد۔ (چوتھے پلنگ کی طرف دیکھ کر) میاں طرار پڑے سوتے ہیں۔ انھیں خبر تک نہیں۔ ایسی نیند بھی کس کام کی۔ ایک ہم ہیں کہ ذرا سے کھٹکے میں اٹھ بیٹھتے ہیں۔

اظہار۔ جی ہاں!

داؤد۔ بھئی طرار کو نہ جگایا تو کچھ نہ کیا۔

اظہار۔ تمہیں جگاؤ۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ بھڑوں کے چھتے کو چھیڑوں۔

صالح۔ کیوں خواہ مخواہ جگاتے ہو۔ تم بھی پڑ کر سو رہو۔ کہیں ماسٹر صاحب شور سن کر آگئے تو خیریت نہیں۔

(بائیں طرف سے چند اور لڑکے رضائیاں اوڑھے آتے ہیں، کسی کے ہاتھ میں ہاکی اسٹک ہے، کسی کے ہاتھ میں ہوائی بندوق ہے)

داؤد۔ لو اور سب بھی آگئے، اب مزا آیا۔

اظہار۔ اب شامت آئی۔

صالح۔ اب ماسٹر صاحب آئے

آنے والے لڑکے (ساتھ ساتھ) کیا ہے بھئی؟ کیا چور تھا؟

بھیڑیا تھا؟

شیر تھا؟

بلی تھی؟

چوہا تھا؟

داؤد اجی ان چیزوں کی کیا حقیقت ہے؟ ٹپکا تھا جس کے نام سے بڑھیا کا دم نکلتا تھا اور میاں اظہار کا .....

اظہار یہ تو ہیں مسخرے۔ بات یہ ہوئی کہ زور کی بوچھار آئی میری آنکھ کھل گئی۔ میں نے انھیں اٹھایا کہ پلنگ پکڑوا لو۔ انھوں نے بدحواسی میں چیخنا شروع کیا، چور، چور، چور، پوچھے چور یہاں کہاں سے آگیا۔

داؤد واہ میں بدحواس کیوں ہونے لگا۔

اظہار۔ اب تم چھوٹوگے۔ میں نے کیا چرایا تمہارا۔

داؤد۔ اجی میرے سر میں کیا رکھا ہے جو تم چراؤگے۔ تم نے میری نیند چرائی اور میری کیا سبھی کی۔

ایک لڑکا۔ خیر جو ہوا سو ہوا۔ اب اٹھے ہیں تو کوئی کھیل کیوں نہ کھیلیں۔

جمہوریت چین

(۲)

پیام بھائیو! گزشتہ بار میں نے یہ وعدہ کیا تھا کہ اس دفعہ آپ کو جمہوریت چین کے اصول بتاؤں گا۔ اچھا دیکھو کہ اس کے اصول کیا ہیں؟۔ اس کے موٹے موٹے اصول تین ہیں:۔

۱۔ حکومت قوم کی ہو، ۲۔ قوم کے ذریعہ ہو اور (۳) قوم کے لئے ہو۔

ان تین اصولوں کو ہم مختصر الفاظ میں یوں کہیں گے۔ (۱) قومیت (۲) جمہوریت، اور (۳) معیشت۔

۱۔ حکومت قوم کی ہو، اس سے کیا مطلب؟ اور اس سے کیا تعلق؟ آپ کو یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ چین میں پانچ قومیں بستی ہیں (۱) مانچو۔ (۲) تبتی، (۳) منگولی (۴) ھانی، اور (۵) مسلمان۔ یہ پانچ طرح کے لوگ اپنی اپنی حیثیت سے ایک ایک قوم خیال کئے جاتے ہیں، اس لئے ضرورت اس کی ہے کہ چین میں ایک ایسی حکومت قایم ہو جو کہ ان پانچوں قوموں کے وجود اور ہستی کی حفاظت کرسکتی ہو، ان کا کسی قسم کا نقصان نہ ہو۔ مگر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ ان قوموں میں سے اگر کسی نے اپنی حکومت قایم کرلی، تو دوسری چار قوموں کو نقصان ہوگا۔ اس بات کا خیال کرتے ہوئے صرف ایک صورت ہوسکتی تھی کہ چین کی حکومت نہ کسی ایک قوم کی ملک اور جائداد سمجھی جائے، بلکہ ان تمام لوگوں کی ملکیت ہو جو کہ سرزمین چین کے اصلی باشندے ہیں۔ اس اصول کے رو سے نہ کوئی مانچو مسلمان پر فوقیت رکھتا ہے اور نہ کوئی ھانی تبتی پر۔ یعنی ان کی حیثیت اور ان کے حقوق سب برابر ہیں۔ نہ کسی ایک قوم کو زیادہ حاصل ہے اور نہ کم۔ سرزمین چین میں ایک حکومت کے قایم کرنے سے مطلب یہ ہے کہ تمام قوموں کا اتحاد باہمی ہو اور تمام قوموں کی حیثیت برابر رکھنے سے ان پانچ قوموں سے ایک متحدہ چینی قوم بنانا مقصود ہے۔ لہٰذا ان پانچ قوموں کو ایک قوم بنانے کے لئے اصول قومیت کی ضرورت ہے۔

اب آپ نے یہ سمجھ لیا ہوگا کہ اصول قومیت کے دو مقاصد ہیں، ایک تو چین کا اتحاد اور دوسرا چین کی آزادی؛

۱۹۱۱ء سے قبل یہ اصول مانچو خاندان کی استبدادیت اور غیر ممالک کے اثرات کو توڑنے کے لئے استعمال کیا گیا۔ مانچو بادشاہ کو تخت سے اُتارنے کے بعد جب چین میں جمہوریت قایم ہوئی تو اس وقت سے غیر ملکی طاقتیں چین میں فساد پھیلانے کی برابر کوششیں کرتی رہی ہیں۔ ان کی حکمت عملی یہ ہے کہ چینی رہنماؤں کے درمیان تفریق ڈال دی جائے، تاکہ وہ خود درمیان میں آکر فائدہ اٹھائیں چنانچہ ایک عرصہ سے چین میں خانہ جنگی ہوتی رہی ہے اور ایک سپہ سالار دوسرے جنرل کا گلا کاٹنے کے لئے ہر وقت تیار

رہتا ہے۔ ان جنرلوں کو جو ہر وقت جنگ میں مصروف رہتے ہیں دو گروہوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے، ایک سرمایہ دار، دوسرے بادشاہت پسند۔ ان دونوں جماعتوں کو بالواسطہ یا بلا واسطہ غیر ممالک سے مالی امداد ملتی ہے جس کے ذریعہ سے ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ان بادشاہت پسندوں اور سرمایہ داروں کا لڑنا جھگڑنا جمہوریت چین کو بے حد نقصان پہنچاتا ہے۔ اور یہ چین کی آزادی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے کیوں کہ یہ خانہ جنگی غیر طاقتوں کی سازش سے ہوئی ہے، وہ یہ چاہتے ہیں کہ چین میں جو امتیازی حقوق انھیں بادشاہ مانچو کے عہد میں حاصل تھے وہ ان کے ہاتھ سے اس وقت بھی نہ جائیں اور چین میں ان کی جو نو آبادیات اور مستعمرات ہیں، وہ برابر ان کے قبضہ میں باقی رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جمہوریت چین کو مضبوط اور طاقتور ہونے نہیں دیتیں۔ کچھ تو چینی رہنماؤں کے درمیان باہمی تفرقہ، اور کچھ بادشاہت پسندوں اور سرمایہ داروں کے درمیان یہ خانہ جنگی اس جدید حکومت کی ترقی کو آگے بڑھنے نہیں دیتی۔ باوجود اس کے کہ سرزمین چین میں جمہوری حکومت بیس سال سے قایم ہے، مگر ترقی کے آثار اس میں بالکل معلوم نہیں ہوتے۔ بہر حال اس زمانہ میں چین کے ہر طبقہ اور فرقہ کے لوگ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ غیر ممالک کے سیاسی اثرات اور اندرونی فتنہ و فساد کو ختم کرنے کے لئے اصول قومیت پر عمل کرنا بہت ضروری ہے۔ بغیر اس کے چینی قوم کا زندہ رہنا اور اس کا ترقی کرنا بالکل ناممکن ہے۔ چین کی ترقی اور اس کی تجدید مِتی، منگولی، ہانی، مانچو، اور مسلمان پانچ قوموں کے متحدہ عمل اور اتفاق رائے پر موقوف ہے۔ مگر متحدہ عمل اور اتفاق رائے کا پیدا کرنا اس وقت تک ناممکن ہے جب تک ہر ایک اپنے آپ کو علیحدہ قوم سمجھے گی۔ اس کی واحد تدبیر یہ ہے ان پانچ قوموں کو ملا کر ایک متحدہ چینی قوم بنائی جائے۔ چینی قوم جب بن گئی تو ان کے متحدہ عمل اور اتفاق رائے سے چین کو باہر کے سیاسی اثرات سے کلّی نجات مل سکتی ہے۔ یہی اصول قومیت کے مقاصد ہیں اور انھی کے لئے قومیت کی ضرورت ہے۔ اب میں دوسرے اصول کے متعلق کچھ بیان کرتا ہوں۔

دوسرا اصول یہ ہے کہ حکومت قوم کے ذریعہ سے ہو، اگر ایک لفظ میں اس کا مطلب ادا کرنا ہو تو "جمہوریت" کا لفظ کافی ہے۔ حکومت قوم کے ذریعہ سے ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ملک چین میں جو حکومت ہو، بجائے اس کے کہ ایک شخص یا چند اشخاص کی ہو، تمام قوم مل کر اس کو چلائے۔ قانون کی ضرورت ہو، تو ساری قوم مل کر قانون بنائے۔ ملک میں امن و امان قایم کرنے کے لئے اور قایم کرنے کے لئے قوم میں سے ہر ایک شخص کچھ نہ کچھ کام اپنے ذمہ لے۔ ہر شخص کو یہ حق حاصل ہو کہ امور سلطنت اور اس کے انتظامات میں مناسب مشورہ اور رائے دے سکے۔ غرض کہ ایک شخص یا چند اشخاص کی کوئی رائے اگر قوم کے نزدیک ناقابل قبول ہو، تو اس کو رد کر دیا جائے۔ بس یوں سمجھ لو کہ حکومت کی رائے قوم کے لئے ماننا ضروری نہیں، بلکہ قوم جو کہے، اور جو مناسب سمجھے، حکومت کے لئے اس کا ماننا ضروری ہو۔ یا یوں سمجھ لو کہ حکومت ایک طرف ہے، اور قوم ایک طرف۔ اگر حکومت کی قوّت

قوم پر غالب ہے، تو اس کو قوم کے ذریعہ سے حکومت نہ کہیں گے لیکن اگر قوم کی قوت حکومت پر غالب ہو، تو وہی قوم کے ذریعہ سے حکومت کہلائے گی۔ کیوں کہ قوم جو چاہیگی حکومت کو وہ کرنا پڑے گا، نہ کہ حکومت جو چاہے وہ قوم کو کرنا پڑے۔ چنانچہ ایک ایسا نظام حکومت قایم کرنے کے لئے، جو کہ قوم کے ہاتھ سے چلتا ہو، اس کے لئے قوم کو چند بنیادی حقوق دئے گئے ہیں وہ چار ہیں:-

(۱) حق انتخاب (۲) حق استشراع (۳) حق استرجاع (۴) حق ترمیم

چین کی کل آبادی کم وبیش ۴۷ کروڑ ہے اور ہر ایک شخص کا کونسل میں جانا ناممکن ہے۔ اس لئے آسانی کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا گیا کہ دیہات اپنا اپنا نمایندہ منتخب کرکے ضلع کی کونسل میں بھیجے تاکہ دیہات کے لوگوں کے نمایندے اپنے خیالات کو کونسل میں ظاہر کرسکیں۔ اسی طرح ہر ضلع اپنے نمایندے منتخب کرکے صوبجاتی کونسل میں بھیجے، اور ہر صوبہ اپنے اپنے نمایندے منتخب کرکے مرکزی کونسل میں بھیجے تاکہ وہ اپنے ضلع اور صوبہ کی رائے صوبجاتی اور مرکزی کونسل میں ظاہر کرسکیں۔ اس کارروائی کو جس کے ذریعہ سے نمایندہ چنا جاتا ہے انتخاب کہتے ہیں، نمایندہ چننے کے معاملہ میں ہر شخص اپنی رائے دے سکتا ہے۔ ان میں کسی قسم کی قید نہیں۔ مزدور ہو، تاجر ہو، عالم ہو، جاہل ہو، امیر ہو، غریب ہو، سب کی رائے قانون کی نظر میں یکساں سمجھی جاتی ہے۔ وہ اختیار جس سے نمایندہ چنا جاسکتا ہے، حق انتخاب کہتے ہیں۔

حق استشراع اس حق کو کہتے ہیں جس سے قانون بنانے کا آغاز ہو۔ مثلاً ملک کے کسی کام یا معاملہ کے لئے ایک قانون کی ضرورت ہے، اس کے لئے تمام قوم جمع ہوکر اپنے نمایندہ سے کہے کہ فلاں کام یا معاملہ کے لئے ایک قانون کی ضرورت ہے، کونسل میں ایسے قانون کی تجویز پیش کرو۔ چنانچہ نمایندہ ان کی ہدایت کے مطابق کونسل میں جاکر تجویز پیش کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ نمایندہ اپنی طرف سے کوئی تجویز پیش نہیں کرسکتا ہے جب تک کہ قوم اس کو ہدایت نہ کرے۔ چنانچہ وہ حق جس کی روسے قوم اپنے نمایندے کو کسی قانون کی تجویز کونسل میں میں پیش کرنے کے متعلق ہدایت کرتی ہے، اس کو حق استشراع کہتے ہیں یعنی قانون بنانے کی ابتدا، قوم ہی کی طرف سے ہو۔

حق استرجاع اس حق کو کہتے ہیں جس کی روسے عوام سرکاری افسران کو واپس طلب کرسکیں۔ مثلاً کسی افسر کے اخلاق اچھے نہیں ہیں، یا اس کو اتنی قابلیت نہیں جو اپنے عہد کا کام انجام دے سکے۔ یا اور اس قسم کا کوئی نقص اس میں موجود ہو، تو ایسی حالت میں قوم کو حق ہے کہ مذکورہ افسر کو اپنے عہدہ سے علیحدہ کردے۔ اور اس کے بجائے دوسرا شخص مقرر کیا جائے۔

حق ترمیم وہ حق ہے جس کی روسے کسی پرانے اور غیر موزوں قانون کے متعلق عوام ترمیم کی تجویز پیش کرسکتے ہیں۔ ملک میں جو قوانین جاری ہیں، ان میں اکثر وقت یا مقام کا لحاظ رکھا گیا ہے۔ وہ بعض وقت یا مقام کے لئے مناسب ہیں اور بعض وقت اور مقام کے لئے مناسب نہیں۔ لہذا وقت

اور مقام کے حالات کو مدِنظر رکھتے ہوئے بسا اوقات یہ ضرورت پیش آتی ہے کہ قانون میں تبدیلی یا ترمیم کرائی جائے ان تبدیلیوں اور ترمیموں کے پیش کرنے کا حق قوم کو ہے۔ قوم کو ان چار حقوق کے حاصل ہونے سے گویا حکومت بلاواسطہ ان کے زیرِ نگرانی آجاتی ہے۔ اس کو چلانے کے لئے جس آدمی کی ضرورت ہوتی ہے وہ قوم کے انتخاب سے مقرر ہوتا ہے۔ قانون کی ضرورت ہوتی ہے تو قوم کی تجویز سے۔ افسران نالایق ہیں یا اپنے کام انجام نہیں دے سکتے، ان کو ہٹانے اور سزا دینے کی ضرورت ہو تو بھی قوم کی رائے سے نامناسب قانون میں تبدیلی یا ترمیم کرنے کی ضرورت ہے تو وہ بھی قوم کی طرف سے۔ یہی وجہ ہے کہ اس اصول کو قوم کے ذریعہ سے حکومت کہتے ہیں۔

تیسرا اصول یہ ہے کہ حکومت قوم کے لئے ہو۔ اس کو معیشت کہتے ہیں۔ معیشت کے معنی ہیں روٹی کے۔ ہر انسان کو ضرورت ہے کھانے کی۔ مگر کھانا حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی ذریعہ ہونا چاہیئے۔ معیشت عوام کو وہ ذرائع بتلاتی ہے جن سے روٹی کما سکیں

عام طور پر لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص کام اور محنت کریگا اس کو ضرور روٹی مل سکتی ہے۔ یہ بات بالکل ٹھیک ہے۔ مگر اکثر آدمیوں کو کام نہ ملنے کی وجہ سے بے کار بیٹھنا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ کچھ کما نہیں سکتے۔ جب کما نہیں سکتے، تو سوائے بھوک اور فاقہ کشی سے مرنے کے اور کیا صورت ہو سکتی ہے!

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آدمی کو کیوں کام یا کام کرنے کا موقع نہیں ملتا؟ وجہ یہ ہے کہ ہر ملک میں جو آبادی ہوتی ہے اس میں مختلف طبقہ کے لوگ ہوتے ہیں۔ کوئی زمیندار ہے تو کوئی کسان۔ کوئی سرمایہ دار ہے، تو کوئی مزدور۔ زمیندار، زمین کو اپنے قبضہ میں رکھتا ہے۔ اور سرمایہ دار، روپیہ کو۔ ان طبقوں زمینداروں اور سرمایہ داروں کو تو خوب کھانے کو ملتا ہے کیونکہ وہ کسی کے حاجت مند نہیں ہوتے۔ مگر کسانوں اور مزدوروں کو روزانہ محنت کرنے سے بھی کچھ کھانے کو میسّر نہیں ہوتا۔ بسا اوقات یہ ہوتا ہے کہ سرمایہ دار مزدوروں کو اتنی کم تنخواہ دیتے ہیں کہ ان کے بال بچے تک پیٹ بھر کھا نہیں سکتے۔ اور زمیندار کسانوں سے اس قدر کام لیتے ہیں کہ ان کی جان پر بن آتی ہے ایسی حالت میں کسانوں یا مزدوروں کو مجبوراً یہ کرنا پڑتا ہے کہ زمیندار اور سرمایہ دار کے خلاف کوئی کارروائی کریں۔ مگر زمیندار اور سرمایہ دار بجائے اس کے کہ ان پر ترس اور رحم کھائیں، ان کی مزدوری کو بڑھائیں، اور ان سے کم کام لیں ان پر ظلم اور سختی کرتے ہیں۔ اور ان کو طرح طرح سے دبانے کی کوشش کرتے ہیں اگر کسان اور مزدور اپنے مخالفانہ عمل سے باز نہیں آتے، تو زمیندار اور سرمایہ دار اُن کو کان پکڑ کر نکال دیتے ہیں، اور ان کو کام کرنے سے محروم رکھتے ہیں جب کسانوں اور مزدوروں کو کام کرنے سے محروم رکھا گیا، تو پھر کس طرح ان کو روٹی مل سکے گی؟ بالآخر بھوک سے مرنے لگتے ہیں

یہ مضمون اگرچہ بہت طویل ہوگیا ہے لیکن اسی قدر مفید اور پُر از معلومات بھی ہے، اسی لئے ہم نے اسے شائع کرنا گوارا کیا۔ اُمید ہے کہ ناظرین معاف فرمائیں گے۔

(مدیر)

"اس طریقہ تعلیم سے بچوں کو ایسی تربیت حاصل ہوگی جس سے آدمیت کی بنیادیں مستحکم ہوجائیں گی"

نواب اکبر یار جنگ بہادر
صدر تعلیمات
حیدر آباد
دکن

پروجکٹ کیا ہے؟

پروجکٹ طریقے سے مراد بچوں کا مفید ارادے کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس میں بچے بہت سے مقاصد میں سے ایک مشترکہ مقصد مناسب وقت کے لیے منتخب کر لیتے ہیں اور اسے پورا کرنے کے لیے ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں انہیں مختلف مضامین میں کام کرنا پڑتا ہے۔ مقصد کا نتیجہ ... کس طرح مختلف مضامین کا کام کیا جاتا ہے؟

یہ اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہیں تو مندرجہ ذیل دو کتابیں پڑھیے

باغبانی پروجکٹ ۸   میلاد النبی پروجکٹ ۹

مندرجہ بالا دونوں کتابوں میں بہت سی تصویریں بھی دی گئی ہیں

یہ اور بہت سی اچھی اچھی کتابیں ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ، قرولباغ دہلی

"یہ نہایت قیمتی تجربہ ہے اور جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں صحیح اصولوں پر کیا جا رہا ہے"

خواجہ غلام السیدین صاحب
پرنسپل ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علیگڑھ

بچوں کا کتب خانہ

محنت (ڈراما)
یہ محمد عبدالغفار صاحب مدہولی کا تازہ ڈراما ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک طرف کاہل کو روپیہ پیسے سے وہ انسے کس طرح برباد کر دیتا ہے اور دوسری طرف یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ کس طرح ایک غریب فقیر کا لڑکا محنت و مشقت کرکے رفاہ عام کے کام کرتا ہے اور کامیاب زندگی بسر کرتا ہے۔ ایک رنگین بلاک سے چھپا ہوا اس ڈرامے کے ایک منظر کو ظاہر کرتا ہے۔ قیمت چار آنے

اسکول کی زندگی (ڈراما)
یہ ڈراما خاص طور سے بچوں کے لیے لکھا گیا ہے جس میں ہندوستانی مدرسوں کی زندگی بتائی گئی ہے۔ اچھے اور شریر طالبعلموں کا خوبی کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے اور انکے نتائج دکھائے گئے ہیں۔ یہ ڈراما جامعہ کے بچوں نے کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔ قیمت صرف ۴ر

قوم پرست طالبعلم (ڈراما)
بچوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس میں متحدہ قومیت حب وطن ایثار، راستبازی، وفاداری بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت ہی اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہیں۔ طلبہ میں پاک جذبات پیدا کرنے میں یہ ڈراما یقیناً کامیاب ثابت ہوگا۔ قیمت ۴ر

بچوں کا انصاف (ڈراما)
یہ ڈراما الف لیلہ کا ایک قصہ ہے۔ بچوں نے خیانت کے مقدمہ کا اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون الرشید بھی دنگ رہ گیا۔ یہ بچوں کا ڈراما بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۴ر

دنیا کے بسنے والے
حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے، بدو عربوں، افریقہ کے بونوں اور جاپان و سوئٹزرلینڈ کے لوگوں کے حالات درج ہیں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے۔ کتاب میں تقریباً ۵ تصویریں ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا محال ہے۔ قیمت صرف ۶ر

بہار کے پھول
حضرت حفیظ جالندھری کی ان دلآویز نظموں کا مجموعہ جو اخبار پھول میں چھپ کر بے حد پسند کی جا چکی ہیں۔ قیمت آٹھ آنے

ترکوں کی کہانیاں
اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت و جرأت کی چند سچی اور سچی کہانیاں ہیں جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے اور ان ترک بچوں کی طرح سے وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ بڑے مزے کی کہانیاں ہیں۔ قیمت صرف ۴ر

پرستان
پریوں کا شیش محل، لعل کی تلاش، گیند باد شہزادی اور پیال ٹھنگن کی کہانیاں ایسی ہیں کہ ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ سیکھیا شہزادے کی کہانی۔ سمندر کی سنہری پری۔ سوئیوں والے سوداگر۔ پڑھنے کے قابل کہانیاں ہیں۔ قیمت حصہ اول ۴ر دوم ۴ر

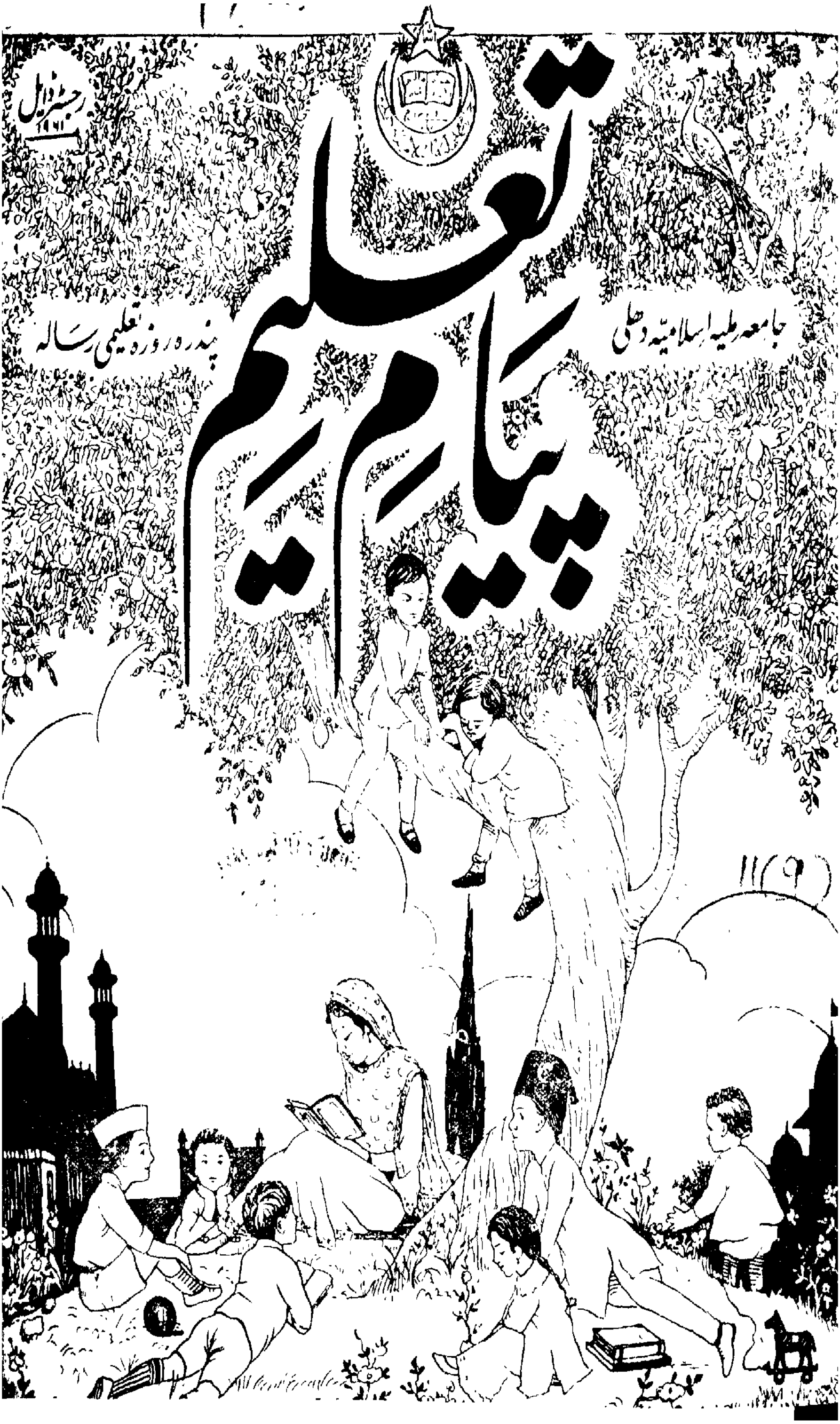
سیاحوں کی کہانیاں
امریکہ اور آسٹریلیا کے دور دراز براعظم اور قطب شمالی۔ دریائے نیل کے منبع اور تبت کے پایۂ تخت جیسے خطرناک مقامات پر پہلے پہل انسانی قدم کب اور کس طرح پہنچا اور انسان نے بحر و بر پر عظیم الشان فتوحات کب اور کس طرح حاصل کیں۔ قیمت ۱۲ر

تاریخ ہند کی کہانیاں
سیکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں ہیں کہ کوئی بچہ کتاب شروع کرنیکے بعد بغیر ختم کے چھوڑ نہیں سکتا۔ قیمت صرف ۴ر

کاری گری
نام مفید اور اہم صنعتوں کے حالات چاقو، دیاسلائی، پن، سوئی، پیچک، کپڑا بننے کی مشین، گھڑی، شیشہ، چائے، پتھر کا کوئلہ، بوٹ، گڑ، شکر، چینی، قفل اور چینی کے برتن بنانے کے حالات بہت دلچسپ انداز میں۔ قیمت ۱۲ر

بن باسی رستم
جنگل بک کی ایک کہانی کا ترجمہ دہلی کی بامحاورہ زبان میں جو بہت سے مدرسوں میں بطور کورس کے پڑھائی جاتی ہے۔ قیمت ۶ر

مکتبہ جامعہ، قرولباغ دہلی


پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
رجسٹرڈ ایل ۱۹۶۱

بچوں کے لئے

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

تاریخ اسلام کا جدید نصاب علما اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ہمارے نبی [illegible] دی گئی ہے جو ایک [illegible] دوسری کتاب **نبیوں کے قصے** [illegible] ہے جس میں تمام انبیا کے حالات قرآن کریم سے لے کر ترتیب دیے گئے ہیں [illegible] سمجھ میں آ سکا ہو [illegible] ضروری ہے کہ بچوں کو دوسرے انبیا کے حالات سے بھی واقف کرایا جائے۔ تیسری کتاب **سرکار دو عالم** [illegible] ذرا زیادہ تفصیلی [illegible] دونوں کتابوں سے [illegible] چوتھی کتاب **خلفائے اربعہ** [illegible] پانچویں **نامورانِ اسلام**۔ ان دونوں کتابوں کی زبان کو بھی تدریجی طور پر مشکل بنایا ہے اور مطالب میں بھی وسعت دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں نامورانِ اسلام خصوصاً ایک ایسی کتاب ہے جس کی عام مسلمانوں کو بھی ضرورت تھی۔ اس میں تمام بڑے بڑے سلاطین، علما، حکما، مصنفین، تمام مشاہیر کے حالات آ گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

ہمارے نبی (جماعت دوم) ۴ر — **نبیوں کے قصے** (جماعت سوم) ۶ر — **سرکار دو عالم** (جماعت چہارم) ۹ر

خلفائے اربعہ (جماعت پنجم) ۱۰ر — **نامورانِ اسلام** (جماعت ششم) ۱۲ر

مکتبہ جامعہ، قرول باغ دہلی

پیام تعلیم

قیمت سالانہ عہ ۸/
قیمت فی پرچہ ۲/

جلد ۱۱ — یکم مارچ ۱۹۳۳ء — نمبر ۹

فہرست مضامین

طابع و ناشر:۔ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم اے پی ایچ ڈی — اڈیٹر: سعید انصاری بی اے (جامعہ) — مطبع جامعہ ملیہ برقی پریس دہلی

کوائف جامعہ

اس سال رمضان میں گو افطار و طعام کی دلچسپیاں پیشتر سے کم رہیں، پھر بھی "بشیر منزل" اور "خاکسار منزل" کے طلبہ نے مل کر ایک روز افطار کا سامان تال کٹورہ پارک میں کیا جو نئی دہلی میں ایک نہایت عمدہ تفریح گاہ ہے۔ بعد افطار و نماز چاندنی رات میں دیر تک نظم خوانی کی مجلس بھی جاری رہی۔

ستائیسویں کی شب کو بشیر منزل میں ختم تراویح تھی اس تقریب سے فراغت کے بعد بہت سے لڑکے اس مبارک رات میں جاگے بھی تھے، اور ساری رات نفل اور قران خوانی میں بسر کی۔

گزشتہ ماہ کے آخری پنج شنبہ کی چھٹی میں پروفیسر محمد مجیب صاحب کالج کے طلبہ کی ایک جماعت لیکر دہلی کے تاریخی آثار و عمارات کی تحقیق کے لئے گئے تھے اور اس سلسلہ میں آپ نے کچھ کتابوں کی اور کچھ مٹے ہوئے آثار کی مدد سے بعض قدیم عمارتوں کا پتہ معلوم کیا ہے۔ آپ ادھر کچھ عرصہ سے اسی کوشش میں ہیں۔ اس سے پیشتر آپ اپنے بڑے بھائی پروفیسر محمد حبیب صاحب کی معیت میں بھی کچھ تلاش و جستجو کر چکے ہیں۔

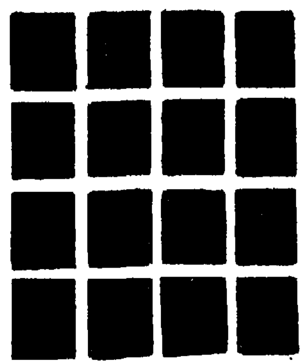
جناب شیخ الجامعہ صاحب عید سے دو روز قبل تشریف لے آئے۔ آپکا آنا جامعہ کے بچوں کی عید کا پیام تھا۔ بمبئی میں آپ کی تقسیم سے زیادہ مدد جامعہ کے ایک سابق اُستاذ ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید صاحب نے کی جو آج کل تجارتی کاروبار کے سلسلے میں وہاں مقیم ہیں۔ آپ کے بعد جامعہ کے ایک فارغ التحصیل معین الدین حارث صاحب نے مدد کی جو "اجمل" اخبار کے اڈیٹر ہیں۔ اہل جامعہ ان دونوں حضرات کے دل سے شکر گزار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جامعہ سے تمام تعلق رکھنے والے حضرات اس کے ضرورت کے دقتوں میں اسی طرح کام آئیں گے۔

عید کے دن حسب معمول نماز دوگانہ سے فراغت کے بعد ایک دوسرے کے ہاں آنے جانے کا سلسلہ شروع ہوا، جو تقریباً شام تک جاری رہا۔ شب میں ۸½ بجے "شریر لڑکا" نامی ڈرامے کا کھیل ہونے والا تھا۔ جو وقت مقررہ پر شروع ہوا۔ اس کھیل میں جامعہ کی برادری کے علاوہ باہر سے بھی کچھ لوگ آئے تھے جنمیں ڈاکٹر سلیم الزماں صاحب مع مسز سلیم الزماں، صدر معلمہ ماڈرن اسکول دریا گنج، احد حسین صاحب قدوائی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ یہ کوئی خیالی ڈراما نہ تھا بلکہ جامعہ کے مدرسہ اور دار الاقامہ کی زندگی کی ایک سچی تصویر تھی، تمام کھیل لڑکوں نے نہایت خوبی اور صفائی سے انجام دیا۔ جس میں طرار (شریر لڑکا) کا حصہ سب سے زیادہ پسند کیا گیا اور محمد نور خاں متعلم ابتدائی چہارم کو جس نے یہ حصہ کیا تھا جناب احد حسین صاحب کی طرف سے ایک طلائی تمغہ دیا گیا۔

نظر کا دھوکا

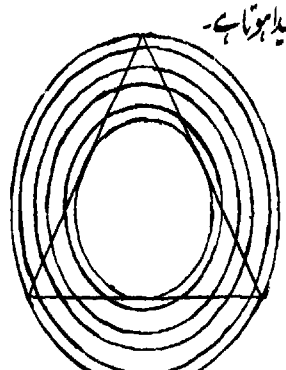
(بسلسلہ اشاعت نمبر)

گزشتہ اشاعت میں کئی ایک مثالوں سے یہ بتایا گیا تھا کہ ہماری یہ آنکھیں ہمیں کیسا دھوکا دیتی ہیں، آج دو ایک مثالوں سے اس کی مزید تصدیق ہوگی۔ اس شکل میں دیکھو جہاں سفید پٹیاں



ایک دوسرے کو قطع کرتی ہیں وہاں سیاہ دھبوں کا ایک عجیب وغریب دھوکا ہوتا ہے۔ لیکن یہ بات اُس مقام پر ہرگز نظر نہیں آتی جہاں تم اپنی نظر جمادیتے ہو۔ ان سیاہ دھبوں میں سے جو سفید پٹیوں کے ایک دوسرے کو قطع کرنے کی جگہ پر ظاہر ہوتے ہیں، اگر تم ایک طرف دیکھو تو وہ فوراً غائب ہوجاتا ہے لیکن دوسرے چاروں طرف نظر آتے ہیں۔ پھر دوسرے دھبہ کو دیکھو تو وہ اپنی باری پر غائب ہوجاتا ہے اور پہلا دھبہ دوبارہ ظاہر ہوجاتا ہے یہ سیاہ دھبے ہماری آنکھوں کے ساتھ گویا آنکھ مچولی کھیلتے ہیں

آنکھ کا یہ دھوکا غالبًا سفیدی اور سیاہی دو متضاد چیزوں کے اثر سے پیدا ہوتا ہے۔



اس شکل میں ہم نے ایک مثلث مساوی الاضلاع متعدد دائروں کی پشت پر بنایا ہے۔ مثلث کے اضلاع بالکل مستقیم ہیں مگر نظر یہ آتا ہے کہ بیچ سے جھکے ہوئے ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ زاویہ حادہ جس قدر کہ فی الواقع ہوتا ہے اُس سے قدرے زیادہ بڑا معلوم ہوا کرتا ہے۔

بعض وقت آنکھ اشکال وحروف کے سائز بھی غلط بتاتی ہے۔ مثال کے طور پر انگریزی چھپے ہوئے حرف ایس (S) یا ہندسہ 8 کو (یہ حرف وہندسہ ٹائپ کا چھپا ہوا دیکھنا چاہیئے) ان کا اوپر کا حصہ بڑا ہوتا ہے اور نیچے کا چھوٹا لیکن عمومًا ہم ان دونو حصوں کو برابر سمجھتے ہیں۔ اگر یہ اُلٹے چھاپ دئے جائیں یا سیدھے چھپے ہوؤں کو اُلٹا کرکے دیکھا جائے تو ان کے حصوں کی نابرابری کسی قدر تعجب خیز ہوگی۔

بچے موٹروں سے کیسے محفوظ رہ سکتے ہیں

آج کل موٹروں کی وجہ سے جتنی جانیں ضایع ہوتی ہیں اور ان میں بھی بالخصوص بچوں کی جانیں جیسی غیر محفوظ ہیں اس کی بنا پر ان کے محفوظ رہنے کی اتنی صورتیں ہو سکتی ہیں۔



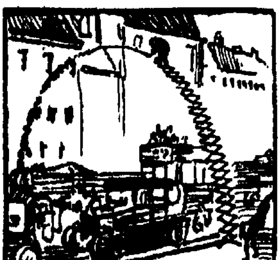
ایک صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ بچوں کے ارد گرد موٹے موٹے تکیے باندھ دیے جائیں۔



یا ایک غبارہ ہو اور وہ اس میں لٹک جایا کریں۔



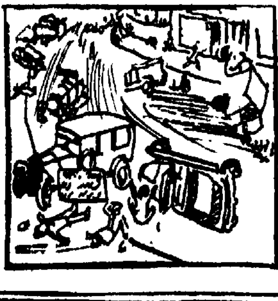
یا وہ سفری پل اپنے ساتھ لئے رہا کریں۔



اور جب ضرورت ہو اسے سڑک کے ایک سرے سے دوسرے سرے پر لگا دیں



یا جب موٹر آتے دیکھیں تو زمین کے اندر راستے کھود لیا کریں۔



یا اپنے موٹر آپ چلائیں اور اس کا جو حشر ہوگا وہ آپ کے سامنے ہے۔

ریچھ اور خرگوش کی دوستی

کسی زمانہ میں ایک ریچھ رہتا تھا جس کے بہت سے بچے تھے لیکن ان بچوں کی ماں مرگئی تھی، اس لیے ریچھ کو بہت کام کرنا پڑتا تھا۔ صبح ہوتی اور وہ لکڑیاں چننے کے لئے جنگل چلا جاتا۔ لیکن اس عرصہ میں ان بچوں کی دیکھ بھال کون کرے؟

چنانچہ ریچھ نے یہ سوچا کہ اس طرح کام چلنا دشوار ہے۔ اکیلے میں یہ بچے نہ جانے کیا کریں، آپس میں لڑ جھگڑ کر ایک دوسرے کی آنکھیں نکال لیں، یا کوئی اور جانور آئے اور انھیں جان سے مار ڈالے، اس لئے اس نے طے کیا کہ کسی ایسے دوست کو تلاش کرے جو اس کی غیر حاضری میں اسکے بچوں کی نگرانی کر سکے۔

غرض اس نے کچھ روٹیاں پکائیں اور ایک تھیلے میں بھر کر کندھے پر رکھا اور دوست کی تلاش میں نکلا۔ راستہ میں سب سے پہلے ایک کوا ملا، اس نے ریچھ سے پوچھا "کہو بھائی ریچھ! کہاں چلے؟" ریچھ بولا "کیا پوچھتے ہو میاں کوے! ایک دوست کی



تلاش ہے جو میرے بچوں کی کچھ دیکھ بھال کر سکے۔" "لیکن یہ تو بتاؤ تمہارے اس تھیلے میں کیا ہے؟"

"روٹیاں ہیں"

کوے نے کہا "اچھا دیکھو، اگر تم مجھے تین روٹیاں دو تو میں تمہارے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار ہوں"

"روٹیوں کا مجھے اتنا خیال نہیں ہے، جتنا اس بات کا کہ آیا تم ان کو بہلا بھی سکو گے یا نہیں" ریچھ نے کہا۔

کوے نے جواب دیا کہ "اس میں کیا دشواری ہے، مجھے تو صرف کائیں، کائیں، کائیں، کرنا ہے اور بس!"

ریچھ نے جھلا کر کہا "تو پھر مجھے ایسے شخص کی ضرورت نہیں ہے" اور یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا چلتے چلتے اسے دوسرا شخص جو ملا وہ ایک گدھ تھا۔ اس نے ریچھ کو جو تھیلا لے جاتے ہوئے دیکھا تو بولا، "کہو بھائی ریچھ کہاں چلے؟"

ریچھ نے جواب دیا "ارے بھائی کیا پوچھتے ہو، ایک ایسے شخص کی تلاش میں جا رہا ہوں جو میرے بچوں۔

"لیکن یہ تمہارے تھیلے میں کیا ہے؟"

"روٹیاں ہیں"

اچھا تو تین روٹی کا دینے کا وعدہ کرو تو میں تمہارے بچوں کو کھلانے کے لئے تیار ہوں"

"لیکن تمہیں بڑی دشواری اُٹھانی پڑے گی اور شاید تم کھلا نہ سکو"



"دشواری کی کیا بات ہے!" گدھ بولا اور اپنے خاص انداز میں "قیں قیں" کرنے لگا۔ لیکن ریچھ کو گدھ کی بات پسند نہ آئی اور وہ آگے بڑھا۔

تیسرا شخص جو اسے راہ میں ملا، وہ ایک خرگوش تھا۔ اس نے ریچھ کو دیکھتے ہی پوچھا "کہو بھائی ریچھ! کہاں چلے؟"

ریچھ بولا "کیا پوچھتے ہو، میاں خرگوش، ایک ایسے ساتھی کی تلاش میں جا رہا ہوں جو میری غیر حاضری میں میرے بچوں کی دیکھ بھال رکھ سکے"

"اور اس تمہارے تھیلے میں کیا ہے؟" خرگوش نے پوچھا

"روٹیاں"

"اگر ان میں سے کچھ مجھے دو تو میں تمہارے بچوں کو خوب کھلا سکتا ہوں"

"لیکن تم بچوں کو کھلانا جانتے بھی ہو؟"

"ہاں ہاں، خوب اچھی طرح" خرگوش بولا اور اس کے کہنے لگا "جب تم چلے جاؤ گے تو میں ان بچوں سے کہوں گا دیکھو تم لڑو مت، ورنہ تمہارا باپ آئے گا تو تمہیں مارے گا۔ وہ جنگل گیا ہے تمہارے لئے پکے پکے بیر اور جنگل کے دوسرے پھل لائے گا۔ اور اسی طرح کی بہت سی باتیں کر کے میں انہیں بہلاؤں گا۔"

ریچھ خرگوش کی باتوں میں آگیا اور وہ سمجھا کہ اس نے ایک اچھا سودا کیا ہے۔ خرگوش بولا "اچھا اب دکھاؤ کہ اس تھیلے میں کیا ہے؟" ریچھ نے تھیلے کا منہ کھولا اور اس نے اس کے اندر گردن ڈال کر خوب دیکھنا بھالنا شروع کیا۔



جب خرگوش دیکھ بھال چکا تو ریچھ نے تھیلا اس کے سر پر رکھ، اور اسے اپنے گھر لے گیا۔ ریچھ کے چھوٹے چھوٹے بچوں نے جو یہ نیا ساتھی دیکھا تو وہ خوشی کے مارے ادھر اُدھر اُچھلنے کودنے لگے اور خرگوش بھی ان کے ساتھ ہنسی خوشی رہنے لگا۔



فاطمہ اور رحیم الدین



کھانے کے وقت رحیم الدین نے باتوں ہی باتوں میں کہا
ّباجان آج میں سکول سے واپس آرہا تھا تو دو سپاہی کسی قیدی
کو لئے جارہے تھے اس کے پیروں میں بیڑیاں
پڑی تھیں"۔ فاطمہ کو یہ سُن کر بہت افسوس ہوا
اس نے کہا: "تو آخر وہ بیچارہ چلتا کیسے ہوگا؟"
"چلنے کو تو وہ اچھی خاصی طرح چل لیتا تھا۔ اور
صورت سے بھی وہ ایسا خوفناک معلوم ہوتا تھا میں نے سوچا کہ
یہی اس کے لئے ٹھیک ہے، نہیں خدا جانے وہ کیا کر بیٹھے گا"
"واہ واہ" فاطمہ نے خفا ہو کر کہا، "اچھے آئے، کسی بیچارے کے
پاؤں میں بیڑیاں پڑیں اور آپ کہیں اچھا ہوا!"
"تم بھی کیسی بے وقوف ہو" رحیم الدین نے ذرا تیز لہجہ میں جواب
دیا" اس نے آخر کچھ کیا ہی تو ہوگا جو اس کے پیر میں بیڑیاں ڈالی
گئیں، نہیں تو پولیس والے کیوں آپ ہی آپ کسی کو پکڑ لیتے۔ اس نے
ضرور کسی کے ہاں ڈاکہ ڈالا ہوگا یا خون کیا ہوگا!"
فاطمہ کو اب اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا کہ باپ سے مخاطب
ہو۔ اس نے کہا "کیوں اباجان، کیا یہ ٹھیک کہتے ہیں؟"
باپ دونوں بھائی بہن کی گفتگو بہت توجہ سے سُن رہا تھا، مگر
وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ انکی گفتگو میں دخل دے
جب تک کہ وہ خود اس سے سوال نہ کریں۔ اب
اس نے کہا،
"ہاں، اس آدمی نے کچھ کیا ہوگا، یا پولیس
والوں کو اس پر کسی قسم کا شبہ ہوگا".
فاطمہ نے ذرا مایوسی کے لہجے میں کہا: "تو اباجان اب پولیس
والے اسے کیا کریں گے؟ کیا مار ڈالیں گے؟"
باپ نے جواب دیا: "یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ گرفتار ہی ہوا
تھا یا اسے عدالت نے سزا کا حکم بھی دیدیا تھا۔ قاعدہ تو یہ ہے کہ جب
کہیں کوئی جرم ہوتا ہے، اور پولیس والوں کو معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ جرم
فلاں آدمی نے کیا ہے تو وہ اسے حوالات میں بند کردیتے ہیں پھر
اس کا مقدمہ عدالت میں پیش ہوتا ہے، اور وہاں اگر ثابت ہوگیا کہ
واقعی وہی آدمی مجرم تھا تو جرم کی جو سزا قانون نے مقرر کی ہے وہ

گزشتہ نمبر میں بتایا گیا تھا کہ جانوروں اور انسان میں کیا فرق ہے۔ یہ محبت ہے لیکن صرف محبت ہی سے کام نہیں چلتا بلکہ قانون کی بھی ضرورت ہوتی ہے

عدالت کے حکم سے دی جاتی ہے۔"

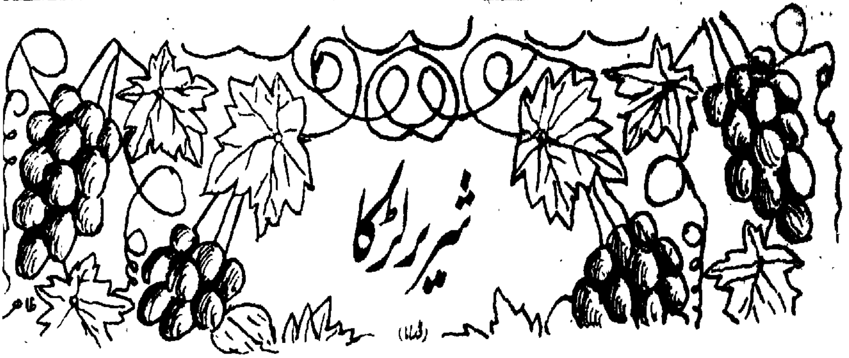
باپ کا جواب سُن کر فاطمہ چپ ہوگئی۔ مگر جیسے ہی کھانا ختم ہوا وہ باپ کی گود میں آکر بیٹھ گئی اور گلے میں ہاتھ ڈال کر کہنے لگی: "ابا جان، جب لوگوں کو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سزا ملے گی تو پھر وہ ایسی باتیں کرتے ہی کیوں ہیں؟"

باپ نے کہا "میں بھی کل تم کو سمجھانے والا تھا جب لوگ بستی میں آباد ہو جاتے ہیں اور انکی ساری ضرورتیں پوری ہو سکتی ہیں، تو پھر انہیں کسی قسم کی تکلیف نہ ہونی چاہیئے۔ لیکن ایسا نہیں ہوتا تم جانتی ہو کہ پیاسے کو پانی پلانا ثواب کا کام ہے، اور اگر کوئی نہ پلائے تو یہ ایک گناہ ہے اور خدا ایسے آدمی سے بہت ناراض ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض کام نیک ہیں بعض بُرے، اور یہ ہمارا دین ہمیں بتاتا ہے کہ کونسا کام نیک ہے اور کونسا بُرا۔ ہم مسلمان ہیں لیکن جو لوگ مسلمان نہیں ہیں ان کے دین میں بھی نیک اور بد کا فرق کیا جاتا ہے، وہ بھی اسے مانتے ہیں کہ نیک کام کا ثواب ملتا ہے اور بد کی سزا۔ مگر اس کی وجہ سے سب آدمی نیک نہیں ہو جاتے۔ خدا نے انسان کے دل میں اس کی صلاحیت پیدا کر دی ہے کہ وہ بُرائی اور بھلائی میں فرق کر سکے لیکن اس کے ساتھ انسان کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ اس کا جی چاہے تو نیکی کرے اور جی چاہے تو اپنی پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ لاد لے۔ انسان کو خدا نے اشرف المخلوقات بھی اسی سبب سے کہا ہے۔ وہ جانوروں کی طرح صرف فطرت کے بنائے ہوئے قانون پر بغیر سوچے سمجھے عمل نہیں کرتا، وہ نیکی کرتا ہے تو اسے نیکی سمجھ کر، اور بُرائی تو بُرائی جان کر۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ حیوان کہلاتا، انسان نہ ہوتا۔

"اب یہ بتانا بہت مشکل ہے کہ آدمی سمجھ بوجھ کر بُرا کام کیوں کرتا ہے بعض غریب ایسے ہوتے ہیں کہ ان کے سامنے لاکھوں روپے رکھ دو مگر وہ انھیں ہاتھ نہ لگائیں بعض امیر ایسے ہوتے ہیں کہ انھیں موقع ملے تو غریبوں اور محتاجوں کے پاس جو دو چار پیسے ہوتے ہیں، وہ بھی ان سے اینٹھ لیں یہ تو انسان کے اپنے دل پر موقوف ہے لیکن لوگ اس کی بہت کوشش کرتے ہیں کہ انسان کے دل میں بُری باتوں کا خیال نہ آئے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ تمہیں سب سے پہلے قرآن شریف پڑھایا گیا اور دینی مسائل سمجھائے گئے، تاکہ تمہیں وہ سب باتیں معلوم ہو جائیں جن کا کرنا مسلمانوں میں اچھا مانا جاتا ہے، اور وہ سب بھی جو تمہیں نہ کرنی چاہئیں لیکن اتنا کافی نہیں ہے بستیوں میں آباد ہونے سے پہلے بھی اس کی ضرورت ہوتی ہے کہ جو لوگ بُری حرکتیں کریں ان کو سزا دی جائے۔ اسے لوگ انصاف کہتے ہیں۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ شروع میں انصاف کرنا خاندانی بزرگوں کا کام ہوتا ہے، بستیوں میں ایسا نہیں ہو سکتا۔ وہاں ایک تو بہت سے چھوٹے چھوٹے خاندان ہوتے ہیں، پھر یہ بھی ضروری ہو جاتا ہے کہ جو فیصلہ کیا جائے وہ ایسا ہو جسے سب انصاف کی بات سمجھیں۔ اس لئے جتنے ایسے معاملے ہوتے ہیں جن کا فیصلہ کرنے میں دو چار آدمیوں کی عقل کام نہیں دیتی، ان میں مذہبی رہنماؤں کی رائے لی جاتی ہے، اور ان کی جو رائے ہو وہی انصاف کی بات مانی جاتی ہے۔"

فاطمہ نے پوچھا "ابا جان، یہ لوگ کون ہوتے ہیں؟"

"یہ لوگ وہ ہوتے ہیں جنہیں سب رسمیں معلوم ہوتی ہیں، جو لوگوں کو یہ بتاتے ہیں کہ ثواب کا کام کونسا ہے اور گناہ کا کونسا،



دوسرا لڑکا:ہاں بھئی آنکھ مچولی ہو۔
تیسرا لڑکا۔ نہیں، اندھا بھینا۔
اظہار:۔ یہ طرار پڑا سوتا ہے اس کی ٹانگ میں رسی باندھ کے کھینچیں۔
داؤد:۔ جی ہاں اکیلے تو میاں جگاتے ہوئے ڈرتے تھے، اب سب آگئے تو دم ہلانے لگے۔
صالح:۔ ارے بھائی خدا کے لیے چپ چاپ سو رہو۔ ماسٹر صاحب آ گئے تو برا ہوگا۔
اظہار:۔ ماسٹر صاحب اب کیا آتے ہیں؟ ایک بار تو آ چکے۔ دروازے کے باہر سے جھانک کر چلے گئے۔ میں جاگ رہا تھا۔
صالح:۔ خیر وہ آئیں یا نہ آئیں ہمیں تو قاعدے کے خلاف نہ کرنا چاہیئے۔
داؤد:۔ یہ اپنا قاعدہ ہی رٹا کرتے ہیں۔ بھئی ہم سے پوچھو تو دوڑ دھوپ کا کھیل ٹھیک نہیں، بیٹھ کر ہتھیلیاں بجائیں۔
ایک لڑکا:۔ یا بیت بازی ہو۔
اظہار:۔ داؤد کا گانا کیوں نہ سنیں۔
سب لڑکے:۔ ہاں۔ ہاں یہ ٹھیک ہے۔ آؤ میاں داؤد کچھ سناؤ۔

گزشتہ اشاعت میں یہ ذکر تھا کہ تمام لڑکے جاگ گئے ہیں اور اب وہ کوئی شرارت کرنی چاہتے ہیں۔

(داؤد کو کھینچ کر فرش پر بٹھاتے ہیں۔ سب آس پاس بیٹھ جاتے ہیں۔ دروازے سے طرار داخل ہوتا ہے اور چپکے سے اپنے بستر پر لیٹ جاتا ہے)
داؤد:۔ ارے بھئی یہ کوئی بات ہے۔ آخر سناؤں کیا؟
اظہار:۔ جو تمہارا جی چاہے۔
(گنگناتا ہے)
راوی نے ہے اس طرح خبر دی ؛ اک شب لگی بندروں کو سردی
(سب لڑکے قہقہہ لگاتے ہیں)
اظہار:۔ پھر وہی مسخراپن۔ کوئی اچھی چیز سناؤ۔
داؤد:۔ یہ کیا بری چیز ہے۔ اپنے مولوی اسمٰعیل کی ہے۔
ایک لڑکا:۔ حالی کی وہ نظم سناؤ جو اس دن جلسہ میں پڑھی تھی۔
داؤد:۔ حب وطن؟
سب لڑکے:۔ ہاں ہاں وہی۔
اظہار:۔ مگر آہستہ آہستہ جس میں باہر آواز نہ جائے۔
داؤد:۔ (لحن سے پڑھتا ہے)
اے سپہر بریں کے سیارو ؛ اے فضائے زمیں کے گلزارو

لے عنادل کے نغمۂ سحری ؛ اے شبِ ماہتاب تاروں کی
اے نسیم بہار کے جھونکو ؛ دہر ناپائیدار کے دھوکو
یوں تو ہر حال میں ہیں ہو عزیز ؛ تھے وطن میں مگر کچھ اور ہی چیز
جب وطن میں ہمارا تھا رہنا ؛ تم سے دل باغ باغ تھا اپنا

(دروازہ کھلتا ہے، ماسٹر صاحب داخل ہوتے ہیں)

ماسٹر صاحب: السلام علیکم ؟

سب لڑکے: (گھبرا کر اُٹھ کھڑے ہوتے ہیں) وعلیکم السلام

ماسٹر صاحب: (غصے میں) کیا آج رت جگا ہے یا قوالی کا جلسہ ہے

(سب لڑکے خاموش سر جھکائے کھڑے ہیں)

ماسٹر صاحب: کچھ معلوم تو ہو یہ صحبت کیسی ہے۔ کیا دارالاقامہ کے قاعدے، ضابطے، ادب، آداب، عزت، حرمت کا گلا گھونٹ کر جشن منایا جارہا ہے، یا مجلس ماتم برپا ہے۔ آخر یہ لحن داؤد ہی میں کیا گایا جارہا تھا۔

داؤد: (ماسٹر صاحب سے) یہ لوگ میرے پیچھے پڑ گئے کہ "حبِ وطن" سناؤ۔ وہی پڑھ رہا تھا۔

ماسٹر صاحب: حبِ وطن تو بڑی اچھی چیز ہے مگر یہ رات کو دو بجے وطن کا درد کیوں اُٹھا۔ اور تمہارا وطن تو اب یہ دارالاقامہ ہے۔ اس کی محبت کا جوش تمہارے دل میں ضرور ہوگا، کیا اس کا تقاضہ یہی ہے کہ دارالاقامہ کے آداب کو پیروں تلے روندو۔ آخر تم سوتے سے اُٹھے کیوں؟ تمہیں کس نے اُٹھایا اور یہ دروازہ کس نے کھولا؟ بتاؤ صالح یہ کیا بات ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ تم اس طوفان بے تمیزی میں کیسے شریک ہوئے؟

صالح: ماسٹر صاحب دروازہ تو معلوم نہیں کس نے کھولا۔ مگر ہم سب اُٹھے یوں کہ روشن دان سے پانی کی بوچھار آئی۔ اظہار کی آنکھ کھل گئی۔ یہ داؤد کو پلنگ پکڑانے کے لئے جگا رہے تھے۔ وہ گھبرا کر چور چور پکارنے لگے۔ ہم سب جاگ اُٹھے اور یہاں اکٹھے ہوگئے۔

ماسٹر صاحب: یہ کیا مہمل بات ہے۔ پانی کب برسا جو بوچھار آئی۔ بادل تو شام سے گھرے ہیں مگر پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں گرا تھا (اظہار سے) تم نے خواب دیکھا تھا، یا محض شرارت سے یہ فقرہ گھڑا اور سب کی نیند خراب کی۔

اظہار: ماسٹر صاحب سچ مچ بوچھار آئی تھی۔ آپ کو یقین نہ ہو تو یہ لحاف دیکھ لیجئے، سارا بھیگ گیا نیا لحاف ہے فرخ آباد کا چھپا ہوا۔ اور جب میں داؤد کو جگا رہا تھا میری گردن پر پھر بوچھار

ماسٹر صاحب: تمہیں لوگوں میں سے کسی کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔ (روشن دان کی طرف دیکھ کر) اور یہ روشن دان کا شیشہ کیا ہوا؟

صالح: یہ تو کئی دن سے ٹوٹا ہوا ہے۔

اظہار: ماسٹر صاحب، طرّار نے توڑا تھا۔ گیند اچھال کر کھیل رہے تھے۔ میں نے بہت کہا کہ دیکھو شیشہ ٹوٹ جائے گا مگر نہیں مانے آخر ٹوٹ گیا۔

ماسٹر صاحب: طرار کہاں ہے؟ آج بھی اسی کی شرارت معلوم ہوتی ہے۔

صالح: ماسٹر صاحب، وہ تو پڑے سو رہے ہیں، بڑی گہری نیند سوتے ہیں۔

ماسٹر صاحب: بناوٹ کی نیند بڑی گہری ہوتی ہے۔ اظہار جب تم اُٹھے ہو طرار اپنے پلنگ پر تھا۔

اظہار: جی ہاں ماسٹر صاحب وہ تو غافل سو رہے تھے۔

ماسٹر صاحب: پھر کوئی اور لڑکا ہوگا جو دروازہ کھول کر باہر گیا

تم میں سے کوئی غائب تو نہیں ؟

لڑکے :۔ جی نہیں ماسٹر صاحب ، سب حاضر ہیں ۔

ماسٹر صاحب :۔ بتاؤ یہ تم میں سے کس کی حرکت تھی ؟ (سب چپ ہیں)

دیکھو تم لوگ صدر مدرس صاحب کے سامنے عہد کر چکے ہو کہ جھوٹ کبھی نہیں بولوگے ۔ اور کوئی شرارت کروگے تو پوچھنے پر بتادوگے اب یہ تمہاری شرافت کا امتحان ہے ۔ جس کی حرکت ہو وہ یہاں آکر کھڑا ہوجائے ۔ ایک ۔ دو ۔ تین

(طرار تڑپ کر پلنگ سے اُٹھتا ہے اور ایک جست میں ماسٹر صاحب کے پاس پہنچ جاتا ہے)

ماسٹر صاحب :۔ ہائیں طرار تم جاگ رہے تھے ؟

طرار :۔ جی ہاں ۔

ماسٹر صاحب :۔ کب سے ۔

طرار :۔ دیر سے

ماسٹر صاحب :۔ یہ تمہاری حرکت تھی ؟

طرار :۔ جی ہاں ۔

ماسٹر صاحب :۔ تم دیوار پر کیسے چڑھے ؟

طرار :۔ سیڑھی لگاکر ۔

ماسٹر صاحب :۔ سیڑھی کہاں سے لائے ۔

طرار :۔ باغ سے ۔

ماسٹر صاحب :۔ پانی کیسے پھینکا ؟

طرار :۔ پچکاری سے ۔

ماسٹر صاحب :۔ پچکاری کہاں سے ملی ؟

طرار :۔ اسی کمرے میں ۔

ماسٹر صاحب :۔ اس کمرہ میں کونسی پچکاری تھی ؟

طرار :۔ جس سے مچھروں کی دوا چھڑکی جاتی ہے ۔

ماسٹر صاحب :۔ تم نے اظہار کے لحاف پر پانی کیوں چھڑکا ۔

طرار :۔ روشنائی ملی نہیں ۔ میں نے پانی چھڑک دیا

(لڑکے چپکے چپکے ہنستے ہیں)

ماسٹر صاحب :۔ آخر کیوں ؟

طرار :۔ (چُپ)

ماسٹر صاحب :۔ مگر اظہار تو کہتا ہے جس وقت پانی آیا تم سو رہے تھے

طرار :۔ جی نہیں ، میں نے تکیہ سیدھا سیدھا رکھ کر لحاف اُڑھا دیا تھا جس میں معلوم ہو میں سو رہا ہوں ۔

ماسٹر صاحب :۔ پھر تم کب آکر لیٹے ؟

طرار :۔ آپ کے آنے سے کچھ پہلے ۔

ماسٹر صاحب :۔ ان لوگوں نے تمہیں دیکھا نہیں ۔

طرار :۔ یہ باتوں میں لگے تھے ۔ میں چپکے سے آکر لیٹ رہا ۔

ماسٹر صاحب :۔ سیڑھی کہاں گئی ؟ باہر تو نہیں ہے ۔

طرار :۔ جہاں سے لایا تھا ، وہیں رکھ آیا ۔

ماسٹر صاحب :۔ اور پچکاری ؟

طرار :۔ پچکاری یہ ہے ۔

(اپنے پلنگ کے پاس جاتا ہے ۔ اور پچکاری اُٹھا کر لاتا ہے پچکاری کا رُخ داؤد کی طرف ہے)

داؤد :۔ (دوڑ کر دوسرے لڑکے کے پیچھے چھپتا ہے) دیکھیے ماسٹر صاحب !

ماسٹر صاحب :۔ (طرار کے ہاتھ سے پچکاری لیکر) تمہاری اس سچائی اور جرأت سے میں خوش ہوا ۔ تم نے اسی خطا کا اقرار کرکے سب کی آبرو رکھ لی ۔ مگر سچائی کا انعام یہ نہیں کہ جھوٹ کی سزا نہ ملے ۔

اس کا انعام بس یہی ہے کہ انسان کی عزت اپنی نظر میں قائم رہتی ہے۔ تم نے آج بڑی بُری حرکت کی ہے جس سے دارالاقامہ کے ضابطے کی سخت توہین ہوئی اتنے لوگوں کی نیند میں خلل پڑا اور انہیں بھی بے ضابطگی کی تحریک ہوئی۔ تمہاری شرارتوں سے سب کا ناک میں دم ہے۔ افسوس ہے کہ صدر مدرس صاحب جسمانی سزا کو پسند نہیں کرتے ورنہ تم اس قابل تھے کہ تمہیں خوب بید لگائے جائیں۔ تم جانتے ہو کہ میں نے اچھے اخلاق کے ہزار نمبر رکھے ہیں۔ شروع سال میں ہر لڑکے کو پورے نمبر دیتا ہوں جو کوئی شرارت کرتا ہے اس کے نمبر کٹ جاتے ہیں۔ اور جو کوئی اچھا کام کرتا ہے اُسے اور نمبر ملتے ہیں جس کے نمبر بہت کم ہو جائیں اُسے کھیلنے کی چھٹی کم ملتی ہے جیب خرچ کم ملتا ہے جس کے کل نمبر کٹ جائیں اُسے تعطیل میں یہاں قید تنہائی میں رہنا ہوتا ہے طرار تمہارے کتنے نمبر کٹ چکے ہیں؟

طرار:- چھ سو۔

ماسٹر صاحب:- آج میں تین سو نمبر اور کاٹتا ہوں۔ اگر اب بھی تم اپنی حرکتوں سے باز آجاؤ تو سو نمبر باقی ہیں تم قید سے بچ جاؤ گے۔

(دوسرے لڑکوں سے مخاطب ہو کر) تم لوگوں نے بھی ذرا سا بہانہ پاکر ضابطے کو توڑ دیا۔ اگر تم کسی وجہ سے جاگے تھے تو پھر سو جاتے رات کو اس طرح محفل جمانا بڑی سرکشی ہے۔ تم سب کے پچاس پچاس نمبر کاٹے جاتے ہیں۔ جاؤ اب سو رہو اور جب نماز کی گھنٹی بجے تو فوراً اُٹھو چاہے نیند پوری ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو۔

(باقی)

صفحہ ۵ کا بقیہ مضمون

یہ لوگ سب سے زیادہ نیک مانے جاتے ہیں اور ان کی رائے سب سے زیادہ صحیح سمجھی جاتی ہے۔ اسی وجہ سے لوگ ان کا بہت ادب کرتے ہیں، اور وہ جو فیصلہ کریں اس کو سب تسلیم کر لیتے ہیں مسلمانوں میں ایسے لوگوں کو قاضی کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ شرع کے تمام احکامات جانتے ہیں۔ ہم لوگ ان کو مذہبی رہنما نہیں کہتے، ہم تو ان کو بس قانون داں سمجھتے ہیں۔ اسلام ایک بہت بڑا مذہب ہے جو دنیا بھر میں پھیلا ہوا ہے، یہ بستیوں کا مذہب نہیں، ساری دنیا کا مذہب ہے۔ لیکن عیسائی مذہب اور اسلام سے پہلے تقریباً ہر بستی کا اپنا الگ مذہب ہوتا تھا، اپنا مندر اور اپنا دیوتا۔ دیوتا کی خدمت کرنا اور لوگوں سے اس کے احکامات کی پیروی کرانا ان لوگوں کا کام ہوتا ہے۔ جو مندر میں رہتے ہیں اور اپنی زندگی اور عبادت اور دیوتا کی پرستش میں صرف کرتے ہیں، مذہبی رہنما یہی ہوتے ہیں، یہی بستیوں میں انصاف بھی کرتے ہیں اور ان کا حکم سمجھو دیوتا کا حکم ہوتا ہے۔ جو اسے نہ مانے وہ گویا بے دین ہو گیا، اور بستی کے لوگ اسے اپنے ساتھ رکھنا نہیں پسند کرتے وہ اسے قتل کر دیتے ہیں یا بستی سے نکال باہر کرتے ہیں، جو اس کے لئے موت سے بھی بدتر سزا ہوتی ہے، رحیم الدین، تم بتا سکتے ہو کیوں؟

رحیم الدین نے جھٹ پٹ جواب دیا: "جی ہاں، اس لئے کہ انسان صحبت کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔"

"ہاں تو ان مذہبی رہنماؤں کے فیصلوں سے رفتہ رفتہ ایک پورا قانون تیار ہو جاتا ہے، اور بستی میں رہنے کی شرط یہ ہوتی ہے کہ اس قانون کی پیروی

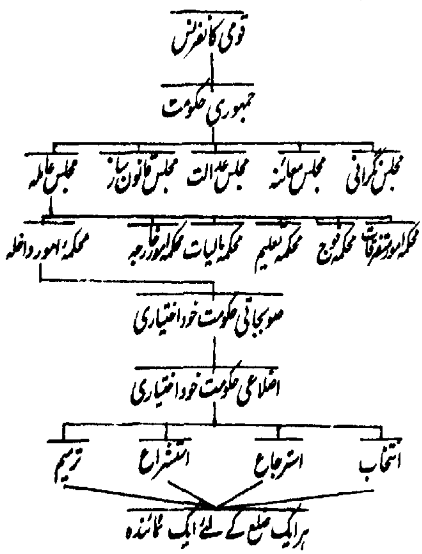
جمہوریت چین

(۴)

زمیندار اور سرمایہ دار کسانوں اور مزدوروں پر اس لئے ظلم کرسکتے ہیں کہ ان کے پاس دولت ہے' روپیہ ہے' جائداد ہے۔ دولت اور جائداد کی وجہ سے وہ قوت حاصل کرکے کسانوں اور مزدوروں کو دبا سکتے ہیں۔ کسان اور مزدور اسی لیئے دبے جاتے ہیں کہ ان کے پاس دو ہاتھوں کے سوا کچھ نہیں۔ کوئی شخص کسان اور مزدور کیوں نہ ہو' آخر وہ انسان اور خدا کی ایک مخلوق ہے۔ انسانیت اور انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح زمینداروں اور سرمایہ داروں کو کھانے میسر ہوتے ہیں اسی طرح کسانوں اور مزدوروں کو بھی ہونا چاہیئے۔ مگر اس کے لیئے ایک خاص قاعدے کی ضرورت ہے جس کی رو سے زمینداروں اور کسانوں کے جھگڑے اور سرمایہ داروں اور مزدوروں کی لڑائیوں کا خاتمہ ہو جائے۔ اسی قاعدے کو اصول معیشت کہتے ہیں۔ معیشت کے دو اہم مقاصد ہیں' ایک تو یہ کہ زمین کی ملکیت میں زمیندار اور کسان کے برابر دونو حصہ دار ہوں' دوسرا یہ کہ روپے کے معاملے میں سرمایہ دار اور مزدور دونو برابر کے حق دار ہوں زمین کی ملکیت میں برابری کا طریقہ یہ ہے کہ حکومت زمینداروں کی سب زمین قیمتاً خرید کرکے کسانوں کو دیدے اور پیداوار کی نسبت سے کسانوں سے ایک مقررہ رقم محصول کے طور پر لیا کرے۔ اس ترکیب سے زمینداروں کو کوئی نقصان نہ ہوگا اس لئے کہ حکومت نے ان کو زمین کی قیمت دیدی ہے اور کسانوں کو فائدہ ہوگا اس لئے کہ پہلے تو وہ زمینداروں کے نوکر کی حیثیت سے زمین جوتتے تھے' اب وہ مالک کی حیثیت سے کام کریں گے۔ پہلے ان کی محنت سے جو پیداوار ہوتی تھی وہ سب کی سب زمینداروں کا منافع سمجھا جاتا تھا اب ان کی محنت سے جو پیداوار ہوگی اس میں بیشتر ان کا اور کچھ حکومت کا حصہ ہوگا۔

روپے کے معاملے میں بھی مساویانہ تقسیم کا یہی طریقہ ہے جیسا کہ زمین کی ملکیت کا یعنی ملک میں سرمایہ داروں کے جو بڑے بڑے کارخانے ہیں حکومت ان کو قیمت دے کر خرید لے۔ خریدنے کے بعد کارخانہ حکومت کی ملکیت سمجھا جائے گا گر حکومت کارخانوں کو اپنے سرمایے سے چلائے۔ کام کرنے والوں میں جن میں کام کرنے کی صلاحیت ہو حکومت ان کو نوکر رکھے اور انکو حسب لیاقت تنخواہ دے اور ان کو ہر قسم کی آسانیاں بہم پہنچائے تاکہ وہ جتنی محنت کر سکتے ہیں کریں اور ان کی زندگی زیادہ آرام اور خوشحالی سے بسر ہو۔ ان کو کپڑے کی ضرورت ہو تو حکومت کپڑے بنوائے' ان کو مکان کی ضرورت ہو تو مکان تیار کرائے' تفریح و آرام کے سامان کی ضرورت ہو تو وہ مہیا کرے' علاج کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام کرے۔ اگر کام نہیں کرسکتے تو ان کے لئے مناسب وظیفے مقرر کردیے جائیں۔ یہی اصول معیشت کا مقصد ہے۔ یہ جمہوریت چین کا تیسرا اصول ہے۔

اب میں آپ کو جمہوریت چین کا نظم و نسق بتاؤں گا اور یہ بھی بتاؤنگا کہ یہ نظام کس طرح چلتا ہے؟ ذیل کا نقشہ غور سے دیکھیئے:۔



اوپر کے نقشے سے آپکو یہ معلوم ہوگیا ہوگا کہ جمہوریت چین کا نظم و نسق کیا ہے؟ اور وہ کس طرح چلتا ہے؟ اس نقشے میں سب سے اوپر قومی کانفرنس ہے۔ قومی کانفرنس کے بعد جمہوری حکومت کا نمبر آتا ہے۔ پھر جمہوری حکومت

کے ماتحت پانچ مجالس ہیں یعنی مجلس نگرانی۔ مجلس معائنہ۔ مجلس عدالت۔ مجلس قانون ساز۔ مجلس عاملہ۔ پھر مجلس عاملہ کے ماتحت چھ محکمے ہیں یعنی محکمۂ امور متفرقات۔ محکمۂ فوج۔ محکمۂ تعلیم۔ محکمۂ مالیات۔ محکمۂ امور خارجہ۔ محکمۂ امور داخلہ۔

محکمۂ امور داخلہ کے نیچے صوبجاتی حکومت خود اختیاری ہے اور صوبجاتی حکومت خود اختیاری کے ماتحت اضلاعی حکومت ہے۔

یہ اضلاعی حکومت ضلع کے نمائندوں سے چلتی ہے اور صوبجاتی حکومت ضلعوں کے نمائندوں سے چلتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اضلاعی حکومت اپنے طور پر خود مختار ہے اور صوبہ کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے وہ صوبجاتی حکومت کے ماتحت ہے۔ صوبجاتی حکومت اپنے طور پر تو خود مختار ہے، لیکن پورے چین کا ایک جزو ہونے کی حیثیت سے وہ مرکزی حکومت کے ماتحت ہے۔ مرکزی حکومت کی مجلس قانون ساز میں جو قوانین تیار ہوتے ہیں، وہ مجلس عاملہ کے ذریعے اس کے ماتحت چھ محکموں میں جاری کئے جاتے ہیں جو قوانین صوبجاتی حکومت کے لئے بنائے گئے ہیں وہ محکمہ امور داخلہ کے ذریعے صوبجاتی حکومت میں نافذ کئے جاتے ہیں اور جو قوانین ضلع کے لئے بنائے گئے ہیں وہ صوبجاتی حکومت کے توسط سے جاری کئے جاتے ہیں۔

جمہوریت چین کی مرکزی حکومت میں ایک صدر، ایک نائب صدر اور چند معاونین ہوتے ہیں۔ اسی طرح باقی پانچ مجالس میں بھی ہوتے ہیں۔ مجلس نگرانی جمہوریت چین کا سب سے اعلیٰ نگرانی صیغہ سمجھا جاتا ہے جس کے ذمے جرم کی تفتیش اور سماعت دو کام ہیں۔

مجلس معائنہ جمہوریت چین کا سب سے اعلیٰ معائنہ صیغہ سمجھا جاتا ہے جس کے ذمے افسروں کا چننا اور ان کا امتحان لینا ہے۔

مجلس عدالت، جمہوریت چین کا سب سے اعلیٰ عدالتی صیغہ سمجھا جاتا ہے جس کے ذمے عدالتی انتظامات کرنا ہے۔

مجلس قانون ساز، جمہوریت چین کا سب سے اعلیٰ قانون بنانے کا صیغہ سمجھا جاتا ہے جس کے ذمے قانون بنانا ہے۔

مجلس عاملہ جمہوریت چین کا سب سے اعلیٰ قانون جاری کرنے کا صیغہ ہے جس کے ذمے تمام پاس شدہ قوانین ملک میں جاری کرنا ہے۔ مذکورہ بالا مجالس میں سے ہر ایک مجلس کا ایک صدر، ایک نائب صدر اور چند معاونین ہوتے ہیں۔

محکمہ امور داخلہ کے ذمے وہ کام ہیں جو اندرونی چین سے تعلق رکھتے ہیں۔

محکمۂ امور خارجہ کے ذمے وہ کام ہیں جو بیرونی چین سے تعلق رکھتے ہیں۔

محکمۂ مالیات کے ذمے وہ کام ہیں جو مالیات سے تعلق رکھتے ہیں۔

محکمۂ تعلیم کا کام ملک کی تعلیم سے متعلق ہے۔

محکمۂ فوج کا کام امور فوجی سے تعلق رکھتا ہے۔

محکمہ امور متفرقات کے ذمے وہ کام ہیں جو مذکورہ پانچ محکمات سے تعلق رکھتے ہوں (مثلاً منگول اور تبت کے معاملات، وغیرہ وغیرہ)

مذکورہ بالا محکموں میں سے ہر ایک محکمہ میں ایک صدر، ایک نائب صدر ہوتا ہے۔ اور چند معاون ہوتے ہیں۔

چین میں کل ۲۸ صوبے ہیں جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ کیانگ سو	۱۰۔ سی چوان	۱۹۔ ہیلونگ کیانگ
۲۔ چیکیانگ	۱۱۔ شی کانگ	۲۰۔ جھول
۳۔ آن ہوئی	۱۲۔ کوئی چاؤ	۲۱۔ چہار
۴۔ کیانگ سی	۱۳۔ یون نان	۲۲۔ ہوئی یوان
۵۔ فوکین	۱۴۔ شنشان	۲۳۔ شانسی
۶۔ کنتن	۱۵۔ ہانان	۲۴۔ شنسی
۷۔ کمتی	۱۶۔ ہاپے	۲۵۔ کانسو
۸۔ ہونان	۱۷۔ لیونینگ	۲۶۔ نینگ ہیا
۹۔ ہوپے	۱۸۔ کیرن	۲۷۔ چین ہائی
	۲۸۔ چینی ترکستان	

ہر ایک صوبہ میں ایک گورنر ہوتا ہے۔

ان صوبوں کے علاوہ پانچ خود مختار شہر ہیں: ۱۔ شنگھائی۔ ۲۔ نانکن۔ ۳۔ ہانک ۴۔ رٹسن ٹو۔ ۵۔ پیکن۔ ہر شہر میں ایک ہائی کمشنر ہوتا ہے۔

دی ہائی دی خاص ضلع سمجھا جاتا ہے۔ منگولیہ اور تبت چین کی زیر ماتحت ریاستیں ہیں کل ضلعوں کی تعداد ۱۹۲۴ ہے اور کل آبادی حال کی مردم شماری کے مطابق ۴۷ کروڑ تک پہنچ چکی ہے۔ (باقی آئندہ)



۲۰ فروری ۱۹۴۳ء کو مدرسہ تحتانیہ کے ہال میں مدرسہ سے متعلق اساتذہ اور نگراں کا ایک چھوٹا سا جلسہ ہوا تھا جس میں علاوہ دیگر مفید باتوں کے عبدالغفار صاحب مدہولی صدر مدرس مدرسہ مذکور نے اپنے اثرات سنائے تھے، جو بچوں کی تعلیم و تربیت سے دلچسپی رکھنے والے ناظرین کے لئے ان صفحات میں شائع کئے جاتے ہیں۔ (مدیر)

اس وقت ہم محض اس غرض سے جمع ہوئے ہیں کہ جو کچھ ہم سنیں گے یا سنائیں گے وہ اس خیال کے ماتحت کہ ہماری حالت ایک خاندان کی ہے جس میں خدا نے اپنی مہربانی سے بہت سے فرزند معنوی ہمارے سپرد کر رکھے ہیں۔ ایک عرصے تک ہم نے انھیں پالا پوسا ہے، ان میں بعض اچھی باتیں ہیں جن کی وجہ سے ہمیں خوشی ہوتی ہے، بعض بری باتیں ہیں جن سے ہمیں دکھ ہوتا ہے۔ ہم ان بری باتوں کو رفتہ رفتہ دور کرنا چاہتے ہیں۔

"خاندان" اور "فرزند معنوی" کا خیال قلمبند کرتے وقت مجھ پر ایک خاص قسم کا جذبہ طاری تھا۔ اس وقت میرے سامنے وہ تمام چلتی پھرتی تصویریں آ گئی تھیں جو بعض اوقات اپنی معصومیت کی وجہ سے جلدی میں اپنے استاد کو "ابا جی" اور "نانا ابا" کہہ دیا کرتی ہیں۔ کاش میں کوئی ادیب یا خطیب ہوتا تو اپنی جادو بیانی سے اس خیال کی اتنی توضیح کرتا کہ آپ تھوڑی دیر کے لئے یہ بھول جاتے کہ ہم "مدرسہ" کے دفتر میں بیٹھے ہیں یا اس دالان میں جہاں بہت سے "ابا جی" اور "نانا ابا" بیٹھے اپنے بچوں کی شادی بیاہ کے منصوبے باندھا کرتے ہیں۔

میں چھوٹے بچوں کو خدا کی سب سے بڑی ودیعت سمجھتا ہوں۔ چھوٹے بچوں کی کما حقہٗ خدمت کرنا شاید سب سے بڑی خدمت ہے۔ بچوں کے معاملے میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے اس لئے میں ایک بچے کی اسی حد تک خدمت کرنے کا خواہش مند ہوں جس حد تک مجھ میں صلاحیت ہے۔

جہاں تک میں نے سمجھنے کی کوشش کی ہے بچے "انقلاب پسند" ہوتے ہیں وہ ہر نئی چیز پر دھاوا بولتے ہیں لیکن ان کی دلچسپیوں کا لگاؤ اس چیز کے ساتھ نہیں رکھا گیا تو یہی بچے یا تو اس کی بربادی کے درپے ہو جاتے ہیں یا اس کا مقاطعہ کر دیتے ہیں۔ اگر اس بارے میں ان کی راہنمائی ٹھیک کی گئی تو ان سے زیادہ اس چیز کا ثنا خواں شاید ہی کوئی دوسرا ملے۔ اب اصل سوال رہ جاتا ہے استاد اور اس کی دلچسپی کا۔ بعض استاد اپنے فرائض کو مقررہ گھنٹوں تک محدود رکھا کرتے ہیں جیسا کہ میں نے کئی بار عرض کیا ہے۔ تعلیم دیتے وقت محض جماعت کی چار دیواری کو سامنے رکھنا اور سمجھنا کہ بچوں میں وہ عادات پیدا کر رہے ہیں جس کی ذمہ داری اپنے سر لی ہے کیسا تکلیف دہ خیال ہے۔ ہم بچوں کو سکھائیں کچھ اور توقع رکھیں کسی اور چیز کی کیسا ظلم ہے! تعجب ہے ہم ہندوستانی استادوں کی ذہنیت پر کہ تجارت کی غرض سے جب کوئی دکان کھولتے ہیں اور باتفاق دکان سے کسی اور جگہ چلے جائیں تو آٹھوں پہر اس کا خیال رہتا ہے اور جب کسی مدرسی کے عہدے پر مامور ہوتے ہیں تو ہر وقت یہ خیال لگا رہتا ہے کہ گھنٹہ کب ختم ہوگا!

حضرات! سچ تو یہ ہے کہ جب تک ہمارا مقصد متعین نہیں ہوتا ہے، ہماری کوششوں کا بار آور ہونا تو کیا وجود میں آنا مشکل ہے۔ رہا مقصد کے متعین ہونے کا سوال، اس سے آپ انکار نہیں کریں گے کہ ہماری زندگی مقاصد سے بھری ہوئی ہے۔ دنیا میں ہر ایک انسان جد و جہد میں مشغول نظر آتا ہے خواہ یہ جد و جہد اسے غارتگری کی طرف لے جانے والی ہو یا انسانیت کی تکمیل کی طرف۔ لیکن "سعی بالمقصد" دونوں میں موجود ہے۔ ہاں یہ دوسری بات ہے کہ زندگی کے مد و جزر کے ساتھ ساتھ اس جد و جہد کا تعلق ہے۔

"سعی بالمقصد" میں جو جذبہ کارفرما ہوتا ہے میں اس کا متلاشی ہوں۔ اس میں جو سِر پنہاں ہیں ان سے آپ ناواقف نہیں ہیں۔ میں یہ چیز آپ میں بدرجہ اتم دیکھنا چاہتا ہوں تاکہ زندگی کا راز ہم پر کھلے۔ ظاہر ہے اس دلچسپ آزمائش میں ہم اس وقت تک حصہ نہیں لے سکتے ہیں جب تک ہم اپنے سامنے کوئی مقصد نہیں رکھتے ہیں۔ اگر بچوں کی خدمت کرنے کا بیڑا ہم نے اُٹھایا ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا طریقۂ کار آیا ان ہی روایات اور اصولوں پر ہوگا جو عام مدارس میں رائج ہے یا ان اصولوں پر جو ہمیں بچوں سے قریب تر کردیتے ہیں۔ میری مراد "خاندانی طریقہ" سے ہے۔ اگر آپ اول الذکر کے حامی ہیں تو اس سے مجھے اختلاف ہوگا خواہ اس میں کتنی ہی خوبیاں کیوں نہ ہوں۔ اگر موخر الذکر ناگزیر ہے تو پھر طریقۂ کار میں زبردست تبدیلی کرنی ہوگی اس لئے کہ اس کی فضا اول الذکر سے بہت مختلف ہے۔ اس صورت میں بعض ایسی باتیں بھی اختیار کرنی ہوں گی جسے شاید سماج پسند نہ کرے اس لئے کہ ہر زمانہ میں سماج کی تشکیل موجودہ فضا اور تہذیب سے ہوتی ہے خواہ وہ غلط کیوں نہ ہو۔ لہذا اپنے کام کو چلانے کے لئے سماج کا اسی حد تک خیال کرنا چاہئے جس حد تک وہ ضروری ہے ورنہ براہ راست انسانی فطرت کا مطالعہ کرنا ہوگا۔ آپ سمجھ سکتے ہیں کہ مکتب میں جب ۵ سال کا بچہ داخل ہوتا ہے تو وہ مدرسہ کی فضا کو اپنے ماحول سے کس قدر مختلف پاتا ہے۔ اس کے بعد اس کی فطرت سے ہٹ کر آپ اپنے قائم کئے ہوئے ہیولیٰ کے ماتحت اس پر مسمریزم کرنا شروع کرتے ہیں۔ پھر رفتہ رفتہ اسے ایک نئی دنیا سے روشناس کراتے ہیں۔ یہ سلسلہ کئی سال تک جاری رہتا ہے۔ پھر آپ اسے اسی جگہ چھوڑ آتے ہیں جہاں سے وہ آیا تھا۔ اب اُسے پھر نئی دشواریوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ سماج اب اس سے اسی وقت محبت کرتا ہے جب وہ اپنے کام کو یکسوئی اور دلچسپی کے ساتھ کرے۔ مگر آپ نے تو اسے غیر محسوس طریقہ سے یہ سکھانے کی کوشش کی تھی کہ مدرسہ کا وقت صرف ایک بجے تک ہوتا ہے۔ سماج اب اس سے یہ توقع رکھتا ہے کہ وہ اپنا کوئی جاذب نظر کیرکٹر پیش کرے مگر مدرسہ کی چاردیواری میں یہ چیز اس کے لئے عنقا تھی اس لئے کہ درسی کتب کے علاوہ آپ نے اس کے کیرکٹر کی تشکیل کے لئے کوئی جد و جہد نہیں کی۔ سماج اب اسے وقت کا پابند دیکھنا چاہتا ہے مگر آپ نے بروقت اس کے لئے کوئی کوشش نہیں کی۔ سماج اب اس کے کاموں میں اپنی سی ہم آہنگی دیکھنا چاہتا ہے، مگر "کلاس" و جماعت کے بے معنی سکوت اور بے معنی ضبط کے علاوہ آپ نے کبھی اس کی آواز کے ساتھ اپنی آواز نہیں ملائی۔ سماج اب اس کے ہر اس عیب پر نگاہ رکھتا ہے جو دن رات کے ۴۸ گھنٹوں میں سے خواہ کسی وقت ظہور پذیر ہوا ہو مگر آپ تو صرف "قواعد مدرسہ کی رو سے چار گھنٹے کے مالک" تھے۔ غرضیکہ سماج اس کی ان تمام حرکات کو غور سے دیکھتا ہے جن کی طرف سے ہم نے ہمیشہ لاپرواہی برتی ہے۔

عام مدارس کی موجودہ یہ صورت بعض دشواریوں کا نتیجہ ہے تاہم ان میں بھی اصلاح کی گنجائش ہے جن سے ہمیں اس وقت سروکار نہیں ہے۔ ہم عام روش سے الگ ہو کر ایک مخصوص حلقہ کی خدمت کر رہے ہیں۔ اس کا کوئی مطلب ہے۔ قطع نظر سیاسی اعتقادات اور حالات کے میں تو اس لحاظ سے بھی الگ مدارس چلانے کی ضرورت محسوس کرتا ہوں کہ ہماری موجودہ روش سماجی زندگی سے تصادم پیدا کرنے والی ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جس قسم کے مدرسے کے تخیل سے میں آپ صاحبان کو روشناس کرانا چاہتا ہوں اس میں مدرسہ اور اس کے دارالاقامے کا محل وقوع نئی قسم کی ترتیب اور تنظیم کی سخت ضرورت ہے تاہم ہماری نیت اچھی رہی تو ہم اس کے قریب تر ہو جائیں گے۔

اس حقیقت سے آپ انکار نہیں کریں گے کہ ہم اپنے کام میں عملاً جس قدر دلچسپی لیں گے اسی قدر اس کے حقائق کا انکشاف ہم پر ہوتا جائے گا۔ مجھے امید ہے کہ آپ اپنے پیشے کے شرف سے واقفیت حاصل کرتے ہوئے معصوم ہستیوں کو اپنی آغوش محبت میں لے کر ان کے ساتھ قلبی تعلق پیدا کریں گے کہ ایک مدرس کی زندگی کا یہی مقصد ہے۔

"اس طریقۂ تعلیم سے بچوں کو ایسی تربیت حاصل ہوگی جس سے آدمیت کی بنیادیں مستحکم ہو جائیں گی"

نواب اکبر یار جنگ بہادر
معتمد تعلیمات
حیدرآباد
دکن

پروجکٹ کیا ہے؟

پروجکٹ طریقے سے [illegible] بچوں کو [illegible] دے کر [illegible] پر عمل [illegible]
ہیں بچے بہت سے تقاضے [illegible] سے ایک [illegible] مقصد مناسب [illegible]
[illegible]
مختلف مضامین ہیں [illegible]

کیا ہوتا ہے؟

یہ اگر آپ معلوم کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل دو کتابیں پڑھیے۔

باغبانی پروجکٹ **میلاد النبی پروجکٹ**

مندرجہ بالا دونوں کتابوں میں بہت سی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

یہ اور بہت سی اچھی اچھی کتابیں ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ۔ قرولباغ دہلی

"یہ ایک نہایت قیمتی تجربہ ہے اور جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں صحیح اصولوں پر کیا جا رہا ہے"

خواجہ غلام السیدین صاحب
پرنسپل ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی۔ علیگڑھ

بچوں کا کتب خانہ

محنت (ڈراما)
یہ محمد عبدالغفار صاحب مدہولی کا تصنیف ڈراما ہے۔ اس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ کاہل کو بیٹھے بیٹھے دولت کس طرح برباد کر دیتا ہے اور دوسری طرف یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ ایک غریب لڑکا محنت و مشقت کر کے رفاہِ عام کے کام کرتا ہے اور کامیاب زندگی بسر کرتا ہے۔ آرٹ پیپر پر نہایت پاکیزگی سے چھپا ہوا اس ڈرامے کے ایک منظر کا فوٹو بھی ہے۔ قیمت چار آنے

اسکول کی زندگی (ڈراما)
یہ ڈراما خاص طور سے بچوں کے لئے لکھا گیا ہے جس میں ہندوستانی مدرسوں کی زندگی بتائی گئی ہے جس میں مدرسوں اور طالبعلموں کا خوبی کے ساتھ مقابلہ کیا ہے اور ان کے نتائج دکھائے گئے ہیں۔ یہ ڈراما جامعہ کے بچوں نے کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔ قیمت صرف ۴

قوم پرست طالبعلم (ڈراما)
بچوں کے لئے لکھا گیا ہے اس میں متحدہ قومیت، حب وطن، ایثار، راستبازی، وفاداری بالآخر کامیابی کے نتائج نہایت ہی اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہیں۔ طلبہ میں پاک جذبات پیدا کرنے میں یہ ڈراما یقیناً کامیاب ثابت ہوگا۔ قیمت ۴

بچوں کا انصاف (ڈراما)
یہ ڈراما الف لیلہ کا ایک قصہ ہے۔ بچوں نے خیانت کا مقدمہ اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون الرشید بھی دنگ رہ گیا۔ یہ بچوں کا ڈراما بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۴

دنیا کے بسنے والے
حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے، بدوؤں، افریقہ کے بونوں اور جاپان وسوئٹزرلینڈ کے لوگوں کے حالات۔ دنیا میں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے کتاب میں تصویریں بھی ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا محال ہے۔ قیمت صرف ۶

بہار کے پھول
حضرت حفیظ جالندھری کی ان مولا دینر نظموں کا مجموعہ جو اخبار پھول میں چھپ کر بے حد پسند کی جا چکی ہیں۔ قیمت آٹھ آنے

ترکوں کی کہانیاں
اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور بہت دلیرانہ جرأت کی چند صحیح اور سچی کہانیاں ہیں جن کے پڑھنے سے بچوں میں قومی جوش پیدا ہوتا ہے اور ان ترک بچوں کی طرح سے وہ بھی تندرست اور بہادر بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ بڑے مزے کی کہانیاں ہیں۔ قیمت صرف ۴

پرستان
پریوں کا شیش محل، لعل کی تلاش، گیندباد شہزادی اور پیارے ننھے منّوں کی کہانیاں ایسی ہیں کہ ہمیشہ یاد رہتی ہیں۔ جیسے شہزادے کی کہانی، سمندر کی سنہری پری، سوئیوں والے سوداگر۔ پڑھنے کے قابل کہانیاں ہیں۔ قیمت حصہ اول ۴، دوم ۴

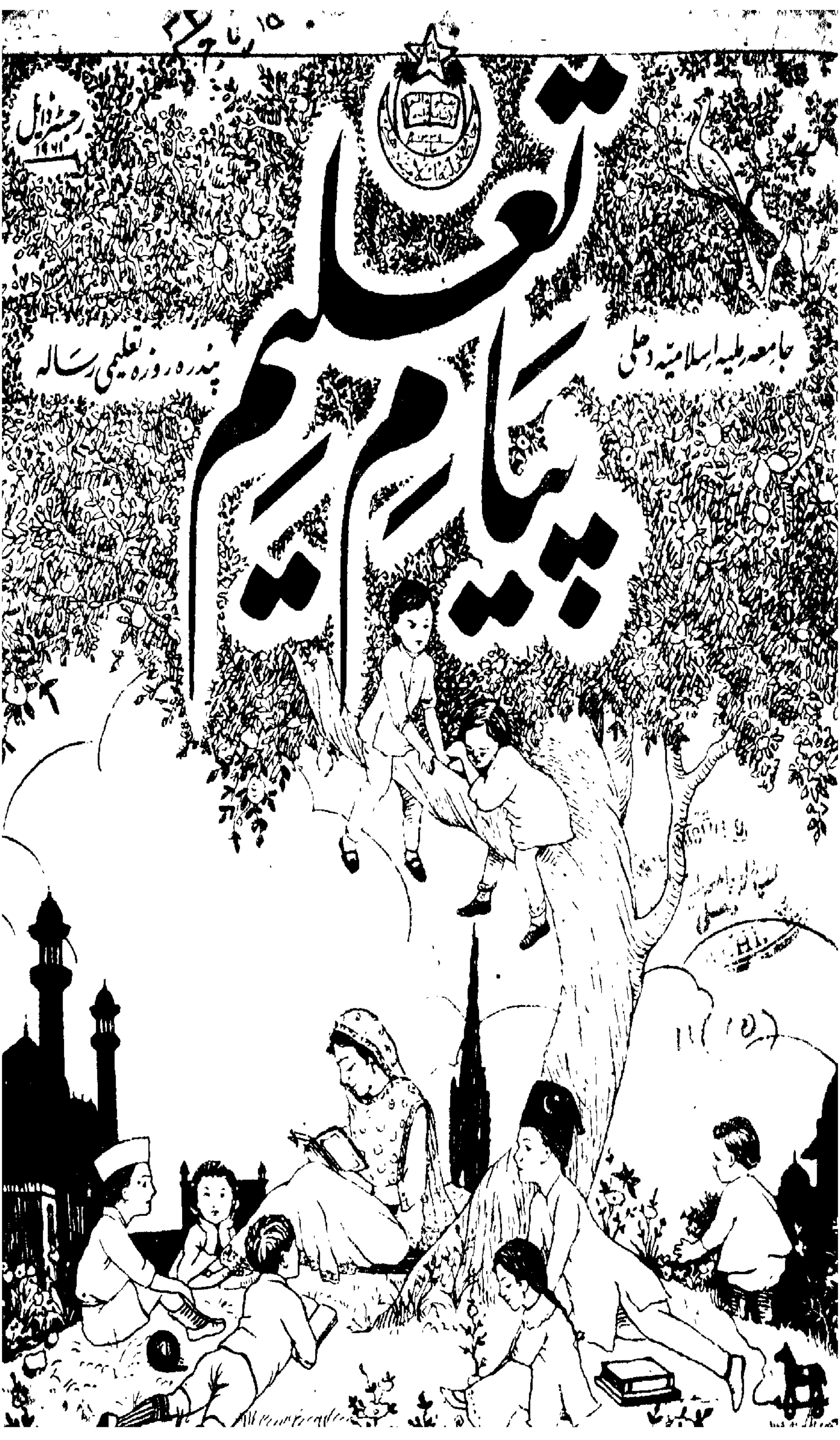
سیاحوں کی کہانیاں
امریکہ اور آسٹریلیا کے سے دور دراز براعظم اور قطب شمالی، دریائے نیل کے منبع اور تبت کے پایۂ تخت جیسے خطرناک مقامات پر پہلے پہل انسانی قدم کب اور کس طرح پہنچا اور انسان نے بحر و بر پر عظیم الشان فتوحات کب اور کس طرح حاصل کیں۔ قیمت ۱۲

تاریخ ہند کی کہانیاں
سیکڑوں برس پہلے کے ہندوستان کی تاریخی کہانیاں ایسی آسان اور پیاری زبان میں ہیں کہ کوئی یہ کتاب شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑ نہیں سکتا۔ قیمت صرف ۴

کاری گری
تمام مفید اور اہم صنعتوں کے حالات چاقو، دیاسلائی، پن، سوئی، چِک، کپڑا بننے کی مشین، گھڑی، شیشہ، چائے، پتھر کا کوئلہ، بوٹ، گڑ، شکر، چینی، قفل اور چینی کے برتن بنانے کے حالات بہت دلچسپ انداز میں۔ قیمت ۱۲

بن باسی رستم
جنگل بک کی ایک کہانی کا ترجمہ دہلی کی بامحاورہ زبان میں جو بہت سے مدرسوں میں بطور کورس کے پڑھائی جاتی ہے۔ قیمت ۶

مکتبہ جامعہ، قرولباغ دہلی



پیام تعلیم
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

بچوں کے لئے

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

تاریخ اسلام کا جدید نصاب علما اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب **ہمارے نبی** قرار دی گئی ہے جو اب تک بچوں میں تقریباً پچیس ہزار فروخت ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب اب **نبیوں کے قصے** قرار دی گئی ہے جس میں تمام انبیاء کے حالات قرآن کریم سے لیکر جمع کئے گئے ہیں۔ ہمارے نبی پڑھنے کے بعد اس کتاب کا مفہوم بچوں کی سمجھ میں آ چکا ہوگا۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بچوں کو دوسرے انبیا کے حالات سے بھی واقف کر دیا جائے۔ تیسری کتاب **سرکار دو عالم** ہے۔ یہ ہمارے نبی سے ذرا زیادہ تفصیلی ہے اور زبان بھی پچھلی دونوں کتابوں سے کچھ مشکل ہے۔ چوتھی کتاب **خلفائے اربعہ** ہے اور پانچویں **ناموران اسلام**۔ ان دونوں کتابوں کی زبان کو بھی تدریجی طور پر مشکل بنایا ہے اور مطالب میں بھی وسعت دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں ناموران اسلام خصوصاً ایک ایسی کتاب ہے جس کی عام مسلمانوں کو بھی ضرورت تھی۔ اس میں تمام بڑے بڑے سلاطین، علما، حکما، غرضکہ تمام مشاہیر کے حالات آگئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ طلبہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوگا۔

ہمارے نبی جماعت دوم ۴ر **نبیوں کے قصے** جماعت سوم ۶ر **سرکار دو عالم** جماعت چہارم ۸ر

خلفائے اربعہ جماعت پنجم ۱۰ر **ناموران اسلام** جماعت ششم ۱۲ر

مکتبہ جامعہ، قرولباغ دہلی

قیمت سالانہ
ڈھائی روپے
(عـٰہ)

پیام تعلیم

قیمت فی پرچہ
ایک آنہ
(۲ر)

جلد ۱۱ — ۱۵ رمارچ سنہ ۱۹۳۲ء — نمبر ۱۰

فہرست مضامین

طابع و ناشر :- ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی ایچ ڈی۔ مدیر :- سعید انصاری صاحب بی اے جامعہ، مطبع :- جامعہ برقی پریس۔ صدر بازار دہلی۔

ایک مصور کی حیرت!!



ایک مصور صاحب جو چیزوں کی تصویریں اپنی اصلی حالت پر بنانا چاہتے تھے ایک دن کچھ گاجر مولی میز پر رکھ کر اور چند گدھے بکریاں اور خرگوش کمرہ میں چھوڑ کر اندر چلے گئے، تھوڑی دیر بعد آکر کیا تماشہ دیکھتے ہیں کہ گاجریں بکریاں اٹھالے گئیں۔ مولی گدھے نے کھالی اور کچھ حصہ خرگوش لے بھاگے۔

کوائف جامعہ

۱۹ مارچ ۱۹۳۲ء کو ہماری "اردو اکادیمی" کا تیسرا جلسہ ہوگا جس میں مولنا اسلم صاحب جیراجپوری مصر کی قدیم تاریخ پر ایک مضمون پڑھیں گے اور مولنا محمد السورتی صاحب اس جلسہ کے صدر ہوں گے۔

اسی تاریخ کو ایک جلسہ مباحثہ بھی ہوگا جس میں شیخ الجامعہ جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب یہ مضمون پیش کریں گے کہ

"ہندوستانی یونیورسٹیوں کی تعلیم بحیثیت مجموعی
ہماری ہندوستانی قومیت کے لئے مضر رہی ہے"

اور جناب خواجہ غلام السیدین صاحب، پرنسپل ٹریننگ کالج مسلم یونیورسٹی علی گڈھ اس مضمون کی مخالفت میں تقریر فرمائیں گے۔ یہ علمی مباحثہ اپنی نوعیت کا یکتا رہیگا، اس لئے کہ ہر دو بزرگ اپنے اپنے زمانہ میں علی گڈھ یونین کے ممتاز مقرر رہ چکے ہیں۔ اور اسوقت تک ہندوستان میں سرکاری تعلیم کا بہت کچھ عملی تجربہ بھی حاصل کر چکے ہیں۔

"ہندوستانی اکیڈمی" کے نام سے حکومت صوبہ متحدہ کی طرف سے بھی اردو ہندی کی ترقی کے لئے ایک علمی مجلس قائم ہے جس کے ہر سال سالانہ جلسہ میں ملک کے کسی ممتاز اہل علم سے کسی علمی موضوع پر لیکچر دلوائے جاتے ہیں اور ان پر ایک ہزار روپے کی ایک حقیر نذر پیش کیجاتی ہے۔ امسال یہ دعوت ہمارے شیخ الجامعہ صاحب کے نام آئی۔ آپ نے "معاشیات کا موضوع اور اس کے دائرہ بحث" پر ایک مقالہ پڑھا۔ جو تمام علمی حلقوں میں بہت پسند کیا گیا۔

بقیہ مضمون صفحہ ۵

کام دے سکتی ہے۔ یہ برش سے زیادہ مفید ہے۔ اول تو یہ کہ یہ برش سے سستی ہے اور دوسرے یہ کہ اسکی بو سے جراثیم جلد مر جاتے ہیں۔

مسواک کے استعمال کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس کو دانتوں کی خلا میں اوپر سے نیچے چلایا جائے کیونکہ اس طرح کرنے سے مسواک کے ریشے آسانی سے دانتوں کے خلا کے اندر جا سکتے ہیں مسواک کو رات کے وقت کھانا کھانے کے بعد استعمال کرنا چاہیئے۔ اکثر لوگ ایسا کرتے ہیں کہ کھانے سے پہلے مسواک کر لیتے ہیں یہ طریقہ ٹھیک نہیں ہے کھانے سے پہلے صاف کرنے سے دانت تو صاف ہو جاتے ہیں لیکن جب کھانا بعد میں کھایا جاتا ہے تو کھانے کے ذرات منہ میں رہ جاتے ہیں اور رات بھر منہ میں سڑتے رہتے ہیں۔ ذرات دن میں نقصان نہیں پہنچاتے ہیں کیونکہ دن بھر ہم بات چیت کرتے رہتے ہیں یا کھانا کھاتے ہیں یا کسی نہ کسی قسم کی حرکت ضرور کرتے رہتے ہیں جس سے وہ ذرات ایک مقام پر ٹھہر نہیں سکتے ہیں لیکن رات کے وقت جب ہم سو جاتے ہیں تو ہمارا منہ اس وقت ساکت ہوتا ہے اس وقت وہ ذرات ایک جگہ پر ٹھہر کر منہ میں سڑتے ہیں اور رات بھر سڑتے رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ صبح جب ہم اٹھتے ہیں تو ہمارے منہ میں لعاب ہوتا ہے اور منہ سے بری بو آتی ہے۔

اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ہم کھانا کھانے بعد سونے سے پیشتر پانچ منٹ خوب مسواک کریں، تاکہ کھانے کے تمام ذرات صاف ہو جائیں اور جب ہم بستر پر جائیں تو ہمارا منہ بالکل صاف ہو۔

دانت

دانت بھی قدرت نے کیا عجیب نعمت عطا کی ہے جس کے بغیر ہم کھانے میں لذت نہیں پا سکتے۔ لیکن بہت سے لوگ ان کی قدر نہیں کرتے اور انھیں صاف نہیں رکھتے ہیں حالانکہ ان کے صاف کرنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی۔ زیادہ سے زیادہ ان کی صفائی میں ۵ منٹ لگتے ہیں اور یہ ۵ منٹ میں اچھی طرح صاف رہ سکتے ہیں اگر پابندی سے روزانہ صاف کئے جائیں۔

اب میں یہ بتاؤں گا کہ دانتوں کو کس طرح نقصان پہنچتا ہے اور وہ کیوں بے کار ہو جاتے ہیں۔



دانت کی شکل اس قسم کی ہوتی ہے جیسی کہ تصویر میں دی گئی ہے دانت کے نیچے کے حصے کو جڑ کہتے ہیں۔ یہ جڑ بھی اسی طرح کام کرتی ہے جس طرح کہ درخت کی جڑیں جو چاروں طرف زمین میں مضبوطی سے گڑ جاتی ہیں اور درخت کو تھامے رہتی ہیں۔ دانتوں کے نیچے کی یہ دو جڑیں بھی دماغ کی ہڈی کو مضبوطی سے پکڑ لیتی ہیں اور دانت کو ہلنے نہیں دیتیں۔

دانت دو مختلف مادّوں سے بنا ہوتا ہے ایک تو بہت ہی سخت چمکدار ہوتا ہے یہ باہر کا حصہ ہے جس سے ہم کھانا چباتے ہیں لیکن دوسرا اندرونی مادہ بہت ہی نرم گلگلا ہوتا ہے۔ جتنے بھی دانت کے امراض ہوتے ہیں وہ اسی نرم مادہ میں ہوتے ہیں۔ باہر کا سخت مادہ اس نرم مادہ کی حفاظت کرتا ہے اور وہ جراثیم کو نرم مادہ میں نہیں جانے دیتا۔ لیکن باوجود سخت مادہ کی حفاظت کے بھی جراثیم کسی نہ کسی طرح اندر مادہ میں داخل ہو جاتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ جب ہم کھانا کھا چکتے ہیں تو دانتوں کو صاف نہیں کرتے ہیں اور چھوٹے چھوٹے کھانے کے ذرات ان خلاؤں میں رہ جاتے ہیں جو ہمارے دانتوں کے بیچ میں ہوتے ہیں۔ اگر دانت خوب صاف کر لئے جائیں تو وہ ذرات ان میں نہیں رہنے پائیں گے۔ لیکن جب دانت صاف نہیں ہوتے ہیں اور وہ ذرات خلاؤں میں رہ جاتے ہیں تو وہ بعد میں سڑنے لگتے ہیں۔ جہاں پر وہ سڑتے ہیں وہاں دانتوں کے سخت مادہ میں ایک باریک سا سوراخ ہو جاتا ہے۔ جب سوراخ ہو گیا تو جراثیم اندر کے نرم مادہ میں آسانی سے داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ وہ تو ہمیشہ منتظر ہی رہتے ہیں کہ کوئی راستہ ملے اور وہ اندر داخل ہوں سخت مادہ میں سے تو وہ داخل نہیں ہو سکتے جب نرم مادہ میں سوراخ ہو جاتا ہے تو وہ اندر داخل ہو جاتے ہیں اور پورے دانت کو سڑا دیتے ہیں۔ شروع میں جب جراثیم اندر جاتے ہیں تو معمولی سا درد ہوتا ہے۔ لوگ اس معمولی درد کا خیال نہیں کرتے ہیں اور

سمجھتے ہیں کہ معمولی سا درد ہے خود ہی اچھا ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوتا، اگر معمولی درد کے دوران میں بھی باقاعدہ دانتوں کی صفائی شروع کر دی جائے تو دانت بچ سکتے ہیں، لیکن اس طرف لوگ خیال نہیں کرتے، اور درد رفتہ رفتہ بڑھ جاتا ہے اور جراثیم اندر ہی اندر نرم مادے کو کھا جاتے ہیں اور دانت کھوکھلے پڑ جاتے ہیں۔ بالآخر دانت کی جڑیں کٹ جاتی ہیں اور دانت گر پڑتے ہیں۔

لیکن اگر اتنا ہی ہو کہ دانت سڑ جائیں اور گر جائیں تو بھی غنیمت ہے مگر وہ تو اور ترقی کر جاتے ہیں۔ یعنی جب دانت سڑ جاتے ہیں تو ان کے سڑنے کی وجہ سے منہ میں ایک خاص قسم کا زہر پیدا ہو جاتا ہے جو کھانے کے ساتھ مل کر پیٹ میں چلا جاتا ہے اور انسان اس زہر کی وجہ سے مختلف بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

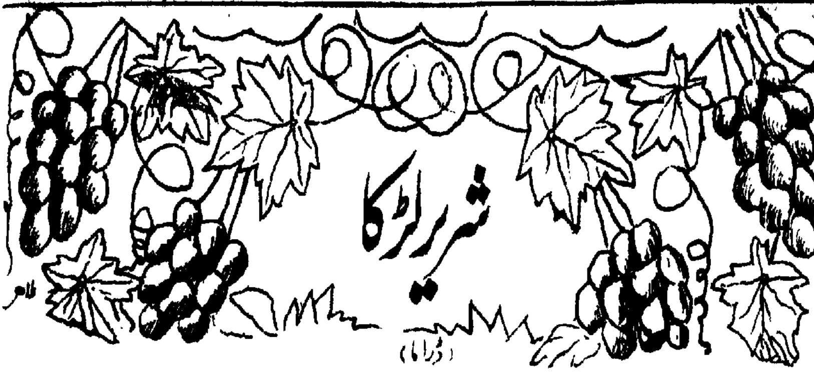
شاعر لوگ دانتوں کو موتی سے تشبیہ دیتے اور انہیں گوہر دنداں کہتے ہیں۔ بالکل درست ہے، کیونکہ دانت حقیقت میں موتی ہیں اور ایسے موتی جن کو کھو کر انسان پھر دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا۔ نقلی موتی مل سکتے ہیں، مگر جو بات اصل میں ہے وہ نقل میں کہاں! لوگ ان کی قدر نہیں کرتے حالانکہ یہ موتیوں سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر ہیں۔ کسی بادشاہ کے یا امیر کے پاس اگر موتی ہوتے ہیں تو وہ ان کو بڑی حفاظت سے رکھتا ہے ان کو صندوقوں میں رکھ کر بڑے بڑے تالے ڈالتا ہے پولیس کا پہرہ رہتا ہے کہ کہیں چور چرا کر نہ لے جائے۔ لیکن اگر وہ ان بیش بہا موتیوں کی قدر نہیں کرتا اور ان کو جراثیم کے خطرناک حملوں سے نہیں بچاتا تو اس کی ان موتیوں کی حفاظت بے کار ہے کیونکہ اگر وہ موتی ضائع ہو بھی جائیں تو دوسرے آ سکتے ہیں لیکن یہ موتی ایسے انمول ہیں کہ ان کے خریدنے کے لئے اگر دنیا بھر کے موتی جمع کئے جائیں تو بھی یہ دوبارہ نہیں حاصل ہو سکتے۔

آپ کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ دانت کس طرح خراب ہوتے ہیں۔ اب ان کی حفاظت کے متعلق معلوم کرنا چاہیئے ان کی حفاظت اور ان کی قدر جو کچھ ہے وہ یہ کہ ان کو ہمیشہ صاف رکھو صاف رکھنے سے ہمارے دانتوں کے خلا میں کھانے کے ذرات رہنے نہیں پائیں گے اور ہم جراثیم کے حملوں سے بچے رہیں گے۔

دانت ہم کو مسواک سے صاف کرنے چاہئیں، کیونکہ مسواک کے ریشے ہمارے دانتوں کے خلاؤں میں آسانی سے چلے جائیں گے۔ اور خلاؤں کو کھانے کے چھوٹے چھوٹے ذرات سے صاف کر دیں گے اکثر لوگ برش استعمال کرتے ہیں وہ بھی اچھی چیز ہے لیکن ایک برش زیادہ عرصہ تک کام نہیں دے سکتا ہے کیونکہ بار بار اسی برش کے صاف کرنے سے اس کی جڑوں میں بھی جراثیم کا اثر پیدا ہو جاتا ہے اور پھر نیا برش خریدنے کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے مسواک ایک ایسی چیز ہے جو بقول شخصے

"کم خرچ بالانشیں" ہے

کہ دام بھی کم خرچ ہوں اور کام بھی عمدہ نکل آئے۔ مسواک کے استعمال سے دانت جلد صاف ہو جاتے ہیں اور اچھے صاف ہوتے ہیں یوں تو وہ بھی دو تین دفعہ کے استعمال سے خراب ہو جاتی ہے اس لئے چاہیئے کہ دو تین دفعہ ایک طرف سے استعمال کیا جائے پھر اس کا وہ حصہ جو استعمال ہو چکا ہے کاٹ دیا جائے تو وہ از سر نو استعمال کے قابل ہو جاتی ہے۔ اس طرح مسواک کئی دن تک



شریر لڑکا

(ڈراما)

(۳)

دوسرا منظر

(جماعت میں پڑھائی ہو رہی ہے۔ لڑکے دری پر بیٹھے ہیں اور ان کے سامنے ڈسکوں پر کتابیں وغیرہ ہیں۔ طرار سزا کے طور پر کھڑا کر دیا گیا ہے۔ تختۂ سیاہ کے پاس ماسٹر صاحب ہاتھ میں کھریا لئے کھڑے ہیں)

ماسٹر صاحب:۔ ہمارا درسی کتاب کا سبق ختم ہو گیا۔ اب ہم اپنی طرف سے ایک سبق بنا کر لکھیں گے۔ جس طرح کتاب لکھنے والے کسی چیز کے متعلق کچھ دوسروں سے سنی ہوئی کچھ اپنی دیکھی ہوئی اچھی اور سچی باتیں جمع کر کے سبق بنا لیتے ہیں۔ اسی طرح ہم بھی بنائیں گے۔ اچھا بتاؤ آج کے سبق میں کس چیز کا ذکر ہوا؟

ایک لڑکا:۔ ماسٹر صاحب جہاز کا۔

دوسرا:۔ نہیں ماسٹر صاحب چاند کا۔

صالح:۔ ماسٹر صاحب سچائی کا۔

[illegible]:۔ ماسٹر صاحب جو آپ کا جی چاہے۔

ماسٹر صاحب، محبت — (جیب کرچپ

ہو جاتا ہے)

ماسٹر صاحب:۔ ہاں ہاں، کہو کہو، ڈرتے کیوں ہو۔ حب وطن کا۔ تم بولو طرار تم نے کچھ نہیں کہا۔

طرار:۔ ماسٹر صاحب جو جلدی سے ختم ہو جائے۔

(سب لڑکے ہنستے ہیں)

ماسٹر صاحب:۔ تمہارا دل سوائے شرارت کے کسی چیز میں نہیں لگتا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تمہارا کیا علاج کیا جائے۔ رات تم نے اتنی بُری حرکت کی۔ آج صبح ایک لڑکے کا کرتہ پلنگ کی چادر سے سی دیا۔ پچاس نمبر اس کے کٹے۔ اب پچاس باقی ہیں۔ اور آج اس نصف سال کا آخری دن ہے۔ پرسوں سے دو ہفتے کی چھٹی ہے۔ اگر یہ نمبر بھی کٹ گئے، تو گھر نہیں جانے ملیگے پڑھائی کا یہ حال ہے کہ کل کا کوئی سبق یاد نہیں۔ آخر تمہارا انجام کیا ہوگا۔

(طرار سر جھکائے خاموش کھڑا ہے۔ اظہار اس کی طرف دیکھ کر ہنستا ہے۔ وہ طرار کا منہ چڑاتا ہے)

صالح:۔ ماسٹر صاحب پھر کونسا سبق ہوگا؟

ماسٹر صاحب:۔ داؤد نے رُکتے رُکتے حب وطن کا نام لیا تھا

شاید اوروں کو بھی یہ خیال آیا ہو مگر انھوں نے اس ڈر سے نہ کہا ہو کہ رات اسی عنوان کی نظم پڑھنے پر سزا مل چکی ہے، کیوں یہی بات ہے؟

داؤد:۔ جی ہاں ماسٹر صاحب۔

ماسٹر صاحب: تو اکثر لوگوں کو اس وقت حب وطن سے دلچسپی ہے اس لئے ہم اس کے متعلق سبق بنائیں گے۔

(تختہ سیاہ پر موٹے موٹے حرفوں میں لکھا ہے)

"حب وطن"

اظہار:۔ (طرار کی طرف اشارہ کر کے آہستہ سے) کھڑے ہیں میاں تم کو شرم نہیں آتی۔

طرار:۔ چپ رہ، شرم کاہے کی ماسٹر صاحب بھی تو کھڑے ہیں۔

ماسٹر صاحب: اچھا دیکھیں ہم لوگ حب وطن کے معنی بھی سمجھتے ہیں بتاؤ اس کے کیا معنی ہیں؟

صالح:۔ وطن کی محبت۔

ماسٹر صاحب: وطن کس کو کہتے ہیں؟

ایک لڑکا:۔ دیس کو۔

ماسٹر صاحب: بھئی میں ذرا دیر میں سمجھتا ہوں۔ مجھے یہ بتاؤ دیس کیا چیز ہے؟

صالح:۔ جس میں آدمی رہتا ہے۔

ماسٹر صاحب: آدمی تو اپنے گھر میں رہتا ہے، بلکہ اس کی ایک کوٹھری میں۔ کیا وہی وطن ہے۔ اور اسی کی محبت حب وطن ہے؟

اظہار:۔ نہیں ماسٹر صاحب دیس اپنے گاؤں کو کہتے ہیں۔

داؤد:۔ نہیں ماسٹر صاحب اپنے ضلع کو۔

صالح:۔ اپنے ملک کو۔

ماسٹر صاحب: (لڑکوں سے) کون ٹھیک کہتا ہے؟

سب لڑکے:۔ ماسٹر صاحب، صالح ٹھیک کہتے ہیں۔

ماسٹر صاحب:۔ کہا تو سب ہی نے ٹھیک مگر یہ آدمی کے دل پر موقوف ہے جس کا دل چھوٹا اس کا وطن چھوٹا جس کا دل بڑا اس کا وطن بڑا۔ اچھا تو تم لوگوں کے خیال میں وطن ملک کو کہتے ہیں مگر مجھے ملک کے معنی معلوم نہیں۔ کیا مشکل ہے۔

اظہار:۔ جیسے ہندوستان۔

ماسٹر صاحب:۔ یہ تو مثال ہوئی ملک کی تعریف کیا ہے؟

صالح:۔ ملک زمین کے ایک حصے کو کہتے ہیں جسے قدرتی حدوں نے اور حصوں سے الگ کر دیا ہو۔

ماسٹر صاحب: اس تعریف کو تم سب سمجھتے ہو؟

اظہار:۔ جی ہاں آج ہی جغرافیہ کے گھنٹے میں سمجھائی گئی ہے۔

ماسٹر صاحب:۔ میں تو ابھی اچھی طرح نہیں سمجھا مگر خیر مجھے اس وقت تم سے دوسری بات سمجھنا ہے۔ تو حب وطن اپنے ملک یا دیس کی محبت کو کہتے ہیں۔ یہ جملہ لکھوں؟

سب لڑکے:۔ جی ہاں ماسٹر صاحب۔

(ماسٹر صاحب تختہ سیاہ پر لکھتے ہیں)

ماسٹر صاحب: اچھا بھئی یہ بتاؤ کہ محبت اس جگہ سے ہوتی ہے جس پر انسان رہتا ہے یا ان لوگوں سے جو اس جگہ رہتے ہیں۔

صالح:۔ دونوں سے۔

ماسٹر صاحب:۔ زیادہ کس سے ہوتی ہے؟

داؤد:۔ جگہ سے۔

اظہار:۔ لوگوں سے۔

ماسٹر صاحب:۔ (اور لڑکوں سے) تمہاری کیا رائے ہے؟

کچھ لڑکے:۔ جگہ سے۔

کچھ اور لڑکے:۔ لوگوں سے۔

ماسٹر صاحب:۔ یہ تو اختلاف رہا کچھ فیصلہ نہیں ہوا اچھا یہ بتاؤ اپنے گھر میں محبت ماں باپ بھائی بہن سے زیادہ ہوتی ہے یا گھر کی زمین اور دیواروں سے۔

کچھ لڑکے:۔ ماں باپ سے۔

کچھ اور لڑکے:۔ بھائی بہن سے۔

ماسٹر صاحب:۔ غرض جتنی محبت ساتھ رہنے والوں سے ہوتی ہے اتنی رہنے کی جگہ سے نہیں ہوتی۔ اس کی میں ایک مثال دیتا ہوں۔ ٹھیک ہو تو مانو ورنہ نہ مانو۔ آدمی گھر میں اکیلا رہ جائے عزیز دوست سب چلے جائیں تو گھر کاٹے کھاتا ہے۔ لیکن اگر گھر چھوٹ جائے اور عزیز دوست ساتھ ہوں تو اتنی تکلیف نہیں ہوتی۔

سب لڑکے:۔ سچ ہے، ماسٹر صاحب۔

ماسٹر صاحب:۔ تو حب وطن میں سب سے بڑی چیز دیس والوں کی محبت اور اس سے کم اس دیس کی محبت ہے جس میں انسان رہتا ہے یہ جملہ لکھوں؟

سب لڑکے:۔ جی ہاں ماسٹر صاحب۔

(ماسٹر صاحب تختۂ سیاہ پر لکھتے ہیں)

(اظہار پھر طرار کو دیکھ کر ہنستا ہے۔ طرار دیوار پر چھپٹا مارتا ہے، جیسے کوئی کیڑا پکڑا ہو اور اظہار کی گردن پر کچھ پھینکتا ہے اظہار گردن پر ہاتھ مار کر چیخ اٹھتا ہے)

اظہار:۔ ہائے رے۔ ماسٹر صاحب، دوڑیے۔

ماسٹر صاحب:۔ (مڑکر) کیا ہوا؟

سب لڑکے:۔ کیا ہوا؟

اظہار:۔ (روتے ہوئے) ماسٹر صاحب۔ طرار نے کوئی کیڑا ڈال دیا۔ نہ جانے مجھ پر کیا ہے!

طرار:۔ نہیں ماسٹر صاحب، کاغذ کی گولی ہے کیڑا ویڑا کچھ نہیں۔

ماسٹر صاحب:۔ طرار اب بات حد سے گذر گئی تمہیں نہ کسی کا خوف باقی ہے نہ شرم۔ تمہارے دل پر نہ ملامت کا اثر ہوتا ہے، نہ دلسوزی کا۔ میں تمہارے رپے سہے پچاس نمبر بھی کاٹتا ہوں۔ اب تعطیل میں یہیں پڑے سڑنا اور اپنے کئے کی سزا بھگتنا۔ یہی نہیں بلکہ میں آج صدر مدرس صاحب کو تمہارا کرتوت سناؤنگا۔ وہ اور سزا دیں گے۔ جاؤ یہاں سے نکل جاؤ۔ اپنی منحوس صورت مجھے نہ دکھاؤ۔

(طرار سر جھکائے باہر چلا جاتا ہے، پردہ گرتا ہے)

(باقی آئندہ)

فاطمہ اور رحیم الدین



گذشتہ نمبر میں بیان کیا گیا تھا کہ رسمیں اور قانون کیسے بنتے ہیں اور شروع میں جب بستیاں قائم ہوتی ہیں تو ان میں آپس کے جھگڑے کون چکاتا ہے۔

باپ کی باتیں جب ختم ہوگئیں تو فاطمہ اور رحیم الدین سونے کے لیے اپنے اپنے پلنگ پر لیٹے لیکن دونوں نیند نہیں لگی تھی۔ رحیم الدین نے پہلی مرتبہ ایک قیدی دیکھا تھا، اور وہ چاہتا تھا کہ اس کی حالت بیان کرکے فاطمہ کو مرعوب کرے، فاطمہ کے دل میں یہ بات کھٹک رہی تھی کہ ایک بیچارے آدمی کو ایسی سخت تکلیف پہنچائی جاتی ہے اور کسی کو اس پر رحم نہیں آتا۔ لڑکوں کے دل ایسے نرم نہیں ہوتے، اور رحیم الدین نے جب باتیں چھیڑدیں اور قیدی کی صورت کا خاکہ کھینچا تو اس کے لب و لہجے سے معلوم ہوتا تھا کہ اسے قیدی سے کوئی ہمدردی نہیں۔ یہ انداز فاطمہ کو ناگوار ہوا۔ اس نے کہا:۔

آپ تو اس طرح سے باتیں کرتے ہیں جیسے قیدی کو سزا دینا کوئی بڑی خوشی کی بات ہے، کوئی آپ کو اس طرح پکڑ کر لے جائے تو معلوم ہو!"

"جی ہاں، مجھے بھلا کوئی کیوں پکڑے گا۔ کیا میں نے کسی کا خون کیا ہے یا کسی کے ہاں ڈاکہ ڈالا ہے۔

اور اس کے بعد رحیم الدین نے کئی واقعے بیان کیے جو اس نے ادھر اُدھر سے سنے تھے کوئی قتل کا قصہ تھا، کوئی چوری کا، کوئی ڈاکے کا۔ یہ سب سن کر فاطمہ کو مجرموں سے ہمدردی نہیں رہی، اس کے دل ہی یہ خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں کوئی اسے مار نہ ڈالے، یا گھر کا سامان نہ اُٹھا لے جائے، رات بھر اس نے ڈراؤنے خواب دیکھے، اور سویرے اُٹھی تو اس کی طبیعت بہت بے چین تھی۔ دن کا تو کام مقرر تھا، اسے اتنی مہلت نہ ملی کہ مجرموں کے بارے میں کچھ سوچے۔ مگر رات کو کھانے کے بعد وہ فوراً باپ کے پاس جاکر بیٹھ گئی اور کہنے لگی:۔

"ابا جان ہم کو مجرموں کے قصے سنائیے۔ کیا وہ سچ مچ لوگوں کو مار ڈالتے ہیں اور ان کے گھروں میں آگ لگا دیتے ہیں؟"

باپ نے کہا "ہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے جیسے ہر انسان کے پیچھے ہزاروں بیماریاں لگی رہتی ہیں اور وہ ذرا کم زور پڑا تو اس پر ایک نہ ایک دھاوا بول دیتی ہے۔ ویسے ہی ہر بستی

کے ہزاروں دشمن ہوتے ہیں۔ قانون اس لئے بنائے جاتے ہیں اور عدالتیں اس لئے قائم ہوتی ہیں کہ بستی کے رہنے والے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرسکیں۔ سپاہی اور فوجیں اس لئے ہوتی ہیں کہ دوسری بستیوں کے لوگ زیادتیاں نہ کرسکیں۔ ان سب کی ضرورت اس سبب سے ہوتی ہے کہ لوگوں کے دل بُرے ہوتے ہیں، وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے کی بجائے لڑتے ہیں، دوسرے کی خوشی میں شریک نہیں ہوتے، اس کو دکھ پہنچانا چاہتے ہیں۔ بستی کے اندر اس طرح کے جو لوگ ہوتے ہیں انھیں مجرم کہتے ہیں۔ وہ نہ خود شانتی سے رہتے ہیں نہ چاہتے ہیں کہ کوئی دوسرا رہے۔"

فاطمہ نے جھٹ سے پوچھا: "تو پھر یہ سب پہلے ہی سے مار نہیں ڈالے جاتے؟"

باپ نے جواب دیا: "سزا اسی وقت دی جاتی ہے جب کوئی شخص جرم کرے۔ کسی کو کسی کے دل کا حال تو معلوم نہیں ہوتا اس لئے کوئی شخص دل میں بُرے خیالات رکھے تو اسے سزا نہیں دی جاسکتی۔ ہم صرف اس کی کوشش کرتے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں بھرے خیالات آہی نہ سکیں۔ لیکن جیسے بعض لوگ روگی پیدا ہوتے ہیں ویسے بعض ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں میں بُرے خیالات اذرا را دے جگہ نہیں کرپاتے۔ یہ لوگ جرم کرتے ہیں انہیں سزا دی جاتی ہے۔ یہ لوگ جرم کرتے ہیں اور انھیں سزا دیجاتی ہے، اس نیت سے کہ وہ پھر جرم نہ کریں۔

فاطمہ کے اندیشے ان باتوں سے دور نہیں ہوئے۔ اس نے ... اگر ہمارے گھر میں کوئی آگ لگا دے تو ہم کیا کریں گے؟

باپ نے کہا: میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ بستی کے اندر حفاظت کے لئے قانون ہوتے ہیں اور عدالتیں، اور باہر کے دشمنوں سے بچانے کے لئے فوجیں، لیکن قاضی اور جج تو مجرموں کو گرفتار نہیں کرسکتے نہ فوجیں بغیر سپہ سالار کے لڑسکتی ہیں، اس لئے اور انتظام کرنا ہوتا ہے۔ بستی کے جو اچھے یا بڑے لوگ ہوتے ہیں وہ حاکم بنائے جاتے ہیں، ان کا کام یہ ہوتا ہے کہ سب سے قانون کی پیروی کروائیں، جو قانون کے خلاف کرے اسے عدالت میں پیش کریں اور عدالت کا جو فیصلہ ہو اس پر عمل کریں، اگر وہ سزا کا حکم دے تو سزا دلوائیں، اور اگر وہ بے گناہ قرار دے تو چھوڑ دیں۔ پھر حاکم کا کام یہ ہوتا ہے کہ اور بستیوں سے اپنی بستی کو محفوظ رکھیں، جب لڑنے کی ضرورت ہو تو لڑیں، اور نہیں تو اس کی کوشش کریں کہ ان کی بستی کی طاقت اور دولت اور اس کا اثر بڑھتا رہے، تاکہ دوسری بستیاں اسے کمزور نہ سمجھیں۔ اس کے علاوہ حاکم کا یہ کام بھی ہوتا ہے کہ بستی میں لوگوں کی تعلیم کا انتظام کرے، تجارت کے لئے آسانیاں پیدا کرے، بستی کو صاف ستھرا رکھے، اور اسکی اور تمام ضرورتیں پوری کرے اس سارے کام کو ہم حکومت کرنا کہتے ہیں۔ جتنی حکومت اچھی ہو اتنے ہی لوگ چین سے رہتے ہیں۔ ہمارے مکان میں کوئی آگ اس لئے نہیں لگا سکتا کہ چاروں طرف روشنی ہے، اگر کوئی آگ لگائے گا تو ہم یا ہمارے ہمسایے اسے دیکھ لیں گے، اور پولیس کو بلا کر اسے پکڑوا دیں گے۔ لیکن اگر ہمارے ہاں کی حکومت خراب ہو تو بہت فساد ہوتا رہے، لوگ مصیبتیں اٹھاتے رہیں اور انکی فریاد سننے والا کوئی نہ ہو، پولیس مجرموں کو عدالتوں میں پیش نہ کرے۔ اسی وجہ سے لوگ چاہتے ہیں کہ حکومت اچھی ہو۔ اچھا اب باتیں کافی ہو چکیں، جاؤ، سو رہو۔

دنیائے سائنس کے روشن ستارے



سر ہمفری ڈیوی

لندن کے رائل انسٹی ٹیوشن کے سامنے رنگ برنگ کی گاڑیاں کھڑی ہیں۔ ہال میں لوگوں کا ایک ہجوم داخل ہو رہا ہے۔ لوگ بنچوں پر بیٹھتے جا رہے ہیں' ان کے چہروں سے ان کے شوق کی کیفیت ظاہر ہو رہی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ کسی دلچسپ اور غیر معمولی چیز کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ سامنے میز پر سائنس کے کچھ آلات ترتیب سے رکھے ہوئے ہیں۔ آن کی آن میں تمام حاضرین پر سکتے کا ایک عالم طاری ہو جاتا ہے۔ ان سب کی توجہ کا مرکز ایک ہی معلوم ہوتا ہے۔ سامنے چبوترے پر ایک دبلا پتلا، پستہ قد نوجوان جدید فیشن کا لباس زیب تن کئے ہوئے کھڑا ہے۔ اس کے ہونٹوں کی پہلی ہی جنبش نے حاضرین کی توجہ کو اپنی طرف کھینچ لیا ہے۔ یہ نوجوان اپنے جدید انکشافات عملی طور پر دکھانے کو ہے۔ ہر شخص کی نظر اس کے ہاتھ کی حرکت کے تابع ہے۔ اس کے دلچسپ اور دلکش انداز بیان نے سامعین پر جادو کا اثر پیدا کر دیا ہے۔ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد تمام ہال تالیوں کے شور سے گونج اٹھتا ہے۔ کامل دو گھنٹے تک بیرونی دنیا سے بے خبر رہنے کے بعد حاضرین تحسین و آفریں کا وظیفہ پڑھتے ہوئے اپنی جگہوں سے اٹھتے ہیں اور جلسہ برخاست ہو جاتا ہے۔

آخر یہ جادو بیان مقرر کون ہے؟ ہمفری ڈیوی رائل انسٹی ٹیوشن کا پروفیسر کیمیا۔ ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات کی مثل ڈیوی کی جادو بیانی کی عمدہ تشریح ہے۔ ابھی وہ مشکل سے نو برس کا تھا کہ ڈیوی اپنے ہم مکتب لڑکوں کو بازار کے کسی کونے پر لے جا کر مختلف قسم کے قصے اور کہانیاں سناتا۔ ان میں سے کچھ تو ایسی ہوتیں جو اس نے اپنی ماں اور نانی سے سنی تھیں اور کچھ اس کی اپنی من گھڑت ہوتیں۔ تقریر کرنے کا شوق اس کو بچپن ہی سے تھا۔ اس قدر تھا کہ کبھی کبھی تنہا کرسی پر کھڑا ہو کر کمرے کی دیواروں کو اپنا مخاطب بناتا۔

مدرسے میں اس کا شمار عام طور سے شرارتی اور کاہل لڑکوں میں ہوتا تھا۔ اس لئے مدرسہ کا ہیڈ ماسٹر اکثر اس کی گوشمالی کیا کرتا لیکن بایں ہمہ وہ چست و چالاک، موقع شناس اور حاضر جواب تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ مدرسہ میں اکثر کان کھینچے جاتے ہیں تو ایک روز دونوں کانوں پر خوب مرہم لگا کر مدرسہ آیا۔ استاد نے جب اس حرکت کی وجہ دریافت کی تو نہایت متانت سے برجستہ جواب دیا "تاکہ گوشمالی نہ ہو"۔ مدرسہ میں اس کی تعلیم کا زمانہ بہت ہی محدود تھا۔ سیر و تفریح اور کھیل کود اور تقریر بازی کا وہ بہت

دلدادہ تھا۔ لیکن اس کی والد کی اچانک موت نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔ اسکول اور اس کے ساتھ تمام کھیل کو چھوڑ کر وہ ایک ڈاکٹر کے ہاں دواسازی وغیرہ کا کام سیکھنے لگا۔ یہاں اس کو ایسا کام مل گیا جس کی طرف وہ قدرتی طور پر مائل تھا۔ دواخانہ کے کاروبار سے اس کو اتنی دلچسپی ہوگئی کہ کہ ہر وقت مختلف تجربوں میں لگا رہتا۔ اکثر مکان کے بالائی کمرے پر جا کر دواؤں کی ترکیب کے متعلق مختلف تجربوں میں لگا رہتا۔ مالک مکان کبھی کبھی کہہ اُٹھتا کہ اس لڑکے نے ناک میں دم کر رکھا ہے۔ یہ کسی نہ کسی روز ہم سب کو ہوا میں اُڑا کر رہے گا۔

اسی اثنا میں ڈیوی کی چند ایسے لوگوں سے ملاقات ہوگئی جو اسکی آئندہ کامیابی کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ ایک روز جب کہ وہ اس مکان کے سامنے کھڑا تھا اس زمانہ کے مشہور سائنسداں گلبرٹ کا اس راستہ سے گذر ہوا۔ گلبرٹ نے اس نوجوان کو دیکھ کر لوگوں سے دریافت کیا کہ یہ کس کا لڑکا ہے؟ جواب ملا کہ "وہ ایک چوب تراش کا لڑکا ہے اور سائنس کے تجربے کرنے کا بہت دلدادہ ہے" اس کے بعد گلبرٹ ڈیوی کا بہت بڑا مددگار بن گیا۔

گلبرٹ کی کوشش اور سفارش سے ڈیوی کو کلفٹن کے ایک ہسپتال میں مددگار سائنس کی جگہ مل گئی۔ اس ہسپتال میں گیسوں کے خواص اور ماہیت کی تحقیقات ہوتی اور گیسوں ہی کے ذریعے اکثر بیماریوں کا علاج کیا جاتا۔ جس وقت ڈیوی گاڑی میں بیٹھ کر گھر سے روانہ ہونے کو تھا، اس کے شاعرانہ تخیل نے اس کو یقین دلا دیا کہ بظاہر تو گاڑی اس کو کلفٹن لیجا رہی ہے لیکن درحقیقت وہ اس کو شہرت اور ناموری کے دروازے پر لے جا کر پہنچائے گی۔

ڈیوی کا یہ خیال حرف بہ حرف صحیح ثابت ہوا۔ اس کا قول تھا کہ اگرچہ میرے پاس نہ دولت ہے، نہ حکومت اور نہ شرافت نسبی۔ تاہم اگر میں زندہ رہا تو بنی نوع انسان کی ایسی خدمت کر جاؤں گا جو اس حالت سے کسی طرح کم نہ ہوگی جب کہ یہ چیزیں میرے پاس ہوتیں۔

کلفٹن پہنچ کر وہ تحقیقات میں مصروف ہو گیا۔ اس زمانہ کے ایک ڈاکٹر کا خیال تھا کہ نائٹرس آکسائڈ بہت ہی زہریلی اور مہلک گیس ہے۔ ڈیوی کو جب یہ معلوم ہوا تو اس کے شوقِ تحقیق کو گدگدی اُٹھی اور اس نے تہیہ کر لیا کہ وہ زہریلی گیس کے خواص کو اپنے اوپر تجربہ کر کے معلوم کرے گا۔ چنانچہ اس نے یہ گیس لی اور اس کو تھوڑی مقدار میں سونگھ کر اندازہ کیا کہ اس ڈاکٹر نے گیس کے مہلک اثرات بیان کرنے میں مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اس کے بعد اس نے اس گیس کو چند منٹ تک سونگھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس پر بے ہوشی کا عالم طاری ہو گیا اور اسی حالت میں وہ کچھ عرصہ تک تمام کمرے میں ناچتا رہا۔ اسی خاصیت کی بنا پر اس کو ہنسانے والی گیس کہتے ہیں۔ اس گیس کے بیہوشی پیدا کر دینے کی خاصیت پر اس کو اس زمانہ میں بھی دانتوں کے عمل جراحی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اس گیس کے خواص کی اشاعت کے ساتھ ہی ڈیوی کے نام کی بھی شہرت ہونے لگی۔ کلفٹن میں ڈھائی سال کی محنت کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام انگلستان میں ڈیوی کا نام مشہور ہو گیا۔

جمہوریت چین

چین میں ایک حقیقی جمہوری حکومت قائم کرنے کے لئے ایک تعمیری پروگرام تیار کیا گیا ہے جس میں پہلا تعمیری کام یہ ہے کہ عوام کے کھانے پینے، رہنے سہنے پہننے اوڑھنے اور آمد و رفت کے ساتھ، حکومت عوام کے لئے زراعت کی اصلاح کرے تاکہ ضروری کھانا میسر آسکے، روئی کی دستکاری کو ترقی دے تاکہ کافی کپڑا تیار ہو سکے، وسیع پیمانہ پر مکانات تعمیر کرائے، تاکہ لوگ آرام سے رہ سکیں، نئی ریلیں، سڑکیں اور نہریں بنائی جائیں، تاکہ تجارت کے لئے آسانی ہو سکے۔

دوسرا تعمیری کام یہ ہے کہ عوام کو سیاسی معلومات بہم پہنچانے کیلئے حکومت کا فرض ہے کہ ان کو تربیت اور ہدایت دے تاکہ وہ یہ سمجھ سکیں کہ کس طرح سیاسی حقوق سے کام لیا جا سکتا ہے۔

تیسرا تعمیری کام یہ ہے کہ اقلیتوں کا خوف اور ڈر دور کرنے کے لئے حکومت کا فرض ہے کہ وہ ان کے مفاد کی حفاظت کرنے میں حتی الامکان مدد کرے۔ ان کو یہ بتائے کہ حکومت خود اختیاری کو کس طرح چلایا جا سکتا ہے، اور مرکزی حکومت میں ان کے کیا حقوق ہیں

تعمیری کام ترتیب کے لحاظ سے تین زمانوں میں تقسیم کیا گیا ہے

(الف) فوجی عمل کا زمانہ

(ب) سیاسی تربیت کا زمانہ

(ج) دستوری حکومت کا زمانہ

جمہوریت قائم ہونے کے شروع میں ضرور ایک وقت ایسا آتا ہے جس میں اندرونی شورش ہوتی ہے، یعنی فوراً امن قائم ہونا مشکل ہے۔ ایسی حالت میں ضرورت یہ ہوتی ہے کہ فوجی قوت سے ان شورشوں کو دبایا جائے جو جمہوری حکومت کے خلاف پیدا ہوتی ہیں۔ چونکہ شورشوں کو دبانے کے لئے فوج سے کام لینا پڑتا ہے، اس لئے اس زمانہ کو فوجی عمل کا زمانہ کہا گیا ہے۔

سیاسی تربیت کا زمانہ اُس وقت شروع ہوتا ہے جس وقت کہ امن قائم ہو جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک تمام ملک میں امن قائم نہ ہو اُس وقت تک سیاسی تربیت کا زمانہ شروع نہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک ضلع میں امن قائم ہو جائے تو اس ضلع کی سیاسی تربیت کا زمانہ اس کے امن قائم ہونے کے وقت سے شروع ہوتا ہے۔

سیاسی تربیت کے زمانہ میں حکومت کو تربیت یافتہ افسران کو مختلف مقامات میں بھیجنا چاہیئے، تاکہ وہ باشندوں کی مقامی حکومت کے قائم کرنے اور چلانے میں مدد کریں۔ مقامی حکومت کا نظام اس وقت مکمل ہوتا ہے جب کہ اس مقام کے رقبہ اور آبادی کے لحاظ سے تمام ضروریات اور لوازمات مہیا کرے، مثلاً حفاظت کے لئے پولیس کی ضرورت ہے۔ آمد و رفت کے لئے ریل اور سڑکوں کی ضرورت ہے۔ خبر رسانی کے لئے ڈاکخانہ تارگھر، لاسلکی خانہ وغیرہ کی ضرورت ہے۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہاں کے باشندوں کو اصول جمہوریت اچھی طرح سکھایا جائے تاکہ وہ اپنے حقوق کو پہچان سکیں اور ان کا بے جا طور پر استعمال نہ کریں، اور جب وہ اپنے مقامی افسران کا انتخاب کرنا چاہیں تو نا قابل اور غلط آدمی نہ چنیں، چونکہ اس زمانہ میں عوام کو تمام سیاسی باتیں سکھائی جاتی ہیں، اس لئے اسکو سیاسی تربیت کا زمانہ کہتے ہیں۔

جب عوام کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان کی روزانہ ضروریات کیا ہیں، اور ان کو کس طرح اپنے سیاسی حقوق کا استعمال کرنا چاہیئے، تو اس وقت دستوری حکومت کا عہد شروع ہوتا ہے۔ اس عہد کے شروع ہوتے ہی مرکزی حکومت میں پانچ مجالس کا قائم ہونا ضروری ہے، یعنی مجلس نگرانی مجلس عدالت، مجلس قانون ساز، مجلس معائنہ، اور مجلس عاملہ۔

عوامی دستور کا اعلان کر دیا جائے، مرکزی حکومت کے انتظامات فوراً قومی کانفرنس کے سپرد کر دیے جائیں یا بالفاظ دیگر قومی کانفرنس کو یہ قوت ہو جائے کہ وہ مرکزی حکومت کے افسران کو مقرر کر سکے یا ان کو ہٹا سکے۔

اب میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جمہوریت چینیا کی حکمت عملی دو قسم پر تقسیم ہے۔

(الف) ایک بیرونی۔

(ب) دوسری اندرونی۔

بیرونی حکمت عملی اس کو کہتے ہیں کہ غیر ممالک کے ساتھ کیا کیا جائے۔ اور اندرونی حکمت عملی اس کو کہتے ہیں کہ ملک چین کے اندر کیا کیا جائے۔

(الف) بیرونی حکمت عملی :-

۱۔ جمہوریت چین کی بیرونی حکمت عملی میں سب سے پہلا نمبر یہ ہے کہ ایسے تمام غیر مساوی معاہدے جن کی رو سے غیر ممالک چین پر نوآبادیات اور مستعمرات قائم کر سکتے ہیں، انھیں امتیازی حقوق حاصل ہیں کسٹم وغیرہ ان کے ہاتھ میں ہے، اور چین کے اندر وہ اپنی عدالت قائم کر سکتے ہیں۔ ایسے سب کے سب معاہدے منسوخ کر دئے جائیں۔ اور مساوات کی بناء پر نئے معاہدے کئے جائیں۔

۲۔ وہ ملک جو کہ اپنی طرف سے تمام امتیازی حقوق چھوڑنے کے لئے پہلے تیار ہو، چین اس کے ساتھ "اکرم الاقوام" کی حیثیت سے سلوک کرے گا۔

۳۔ چین اور غیر ممالک کے درمیان وہ تمام معاہدے نظر ثانی کے قابل سمجھے جائیں گے جو کسی ایک حیثیت سے بھی چین کے مفاد کے منافی ہیں۔ نظر ثانی اس غرض سے کی جائیگی کہ طرفین کی عظمت باقی رہے اور کسی کو نقصان نہ ہو۔

۴۔ باکسر[1] معاوضہ کی واپس شدہ رقم صرف چین کے تعلیمی کاموں میں خرچ کی جائے گی۔

۵۔ وہ رقم جو چین میں فساد پیدا کرنے کی غرض سے غیر ممالک نے فوجی جنرلوں یا غیر ذمہ دار جماعتوں کو بطور قرض دیا ہے، جمہوریت چین اس کی ادائگی کی ذمہ دار نہیں ہے۔

۶۔ جب تک غیر قومیں چین کے سیاسی مفاد کا لحاظ کرتی رہیں گی اس وقت تک وہ قرضہ جو چین کو دیا گیا ہے، واپس کر دیا جائے گا۔

۷۔ ایک کانفرنس منعقد کی جائے جس میں اجتماعی ادارات، تعلیمی ادارات، بنکنگ کارپوریشن اور ایوان تجارت کے نمایندے شامل ہوں اور اس میں اس بات پر غور کیا جائے کہ غیر ممالک کے قرضہ کو کس طرح ادا کیا جائے، اور چین کو غیر ممالک کے معاشی قیود اور بندشوں سے کس طرح چھوڑایا جائے۔

(ب) اندرونی حکمت عملی :-

۱۔ مقامی اور مرکزی حکومت کے درمیان، قوت کی تقسیم میں کوئی توازن قائم رکھا جائے۔ وہ معاملے جو کل ملک سے تعلق رکھتے ہوں ان کا فیصلہ مرکزی حکومت کے ماتحت ہوا۔ اور وہ معاملہ جو صرف مقامی حیثیت رکھتے ہوں، مقامی حکومت کے سپرد کر دئے جائیں۔

۲۔ ہر صوبہ کے باشندوں کو اپنے صوبہ کے دستور و قوانین بنانے کا خود اختیار ہو اور اپنے صوبہ کے لئے افسران کا انتخاب وہ خود کر سکیں بشرطیکہ صوبجاتی اور مرکزی دستور کے مخالف نہ ہو۔ صوبجاتی حکام کا فرض ہے کہ وہ عدالتی نظام کے ماتحت صوبجاتی کاموں کی نگرانی کرے اور مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق امور سلطنت چلائے۔

۳۔ ہر ضلعی حکومت کو ایک مستقل حکومت سمجھا جائے، ہر مستقل حکومت کو یہ حق ہوگا کہ وہ اپنے افسران کا انتخاب کرے، یا انکو عہدوں سے معزول خود کرے، اور قوانین کے بنانے اور ترمیم کرنے میں اپنے اختیار سے کام لے۔ زمین کا لگان، عام زمین کی پیداوار اور قیمت میں اضافہ، اور وہ

---

[1] ۱۹۰۰ء مئی کے مہینہ میں چین میں ایک جماعت جو کہ باکسر (Boxer) کے نام سے موسوم تھی، غیر ممالک کے بہت سے پادریوں کو مار ڈالا جس کی وجہ سے انگلینڈ امریکہ، فرانس، جرمنی، اٹلی، جاپان، سویڈن اور سوئٹزرلینڈ یعنی آٹھ ممالک نے مل کر پیکن پر جو اس وقت کا دارالسلطنت تھا حملہ کر دیا۔ شاہ مانچو نے مجبور ہو کر ان سے صلح کر لی۔ اور نقصانات کا معاوضہ دینا منظور کر لیا۔ اب غیر ممالک اسی معاوضہ کی رقم کو واپس کر رہے ہیں۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ رقم فوج یا ریلوے کی تعمیر میں صرف کیجائے۔ مگر چین چاہتا ہے کہ یہ رقم تعلیمی کاموں کے لئے محفوظ رکھی جائے۔

تمام منافع جو جنگلوں، نہروں، اور کانوں سے حاصل ہوتا ہے، مقامی حکومت کے خزانہ میں داخل کیا جائے تاکہ ان کو مقامی صنعت وحرفت کی ترقی دینے، غریبوں، ضعیفوں، یتیموں اور بھوکوں کی مدد کرنے اور صحت عامہ کے کاموں میں صرف کیا جائے۔

دولت کے قدرتی منبع کی درستی کرنے، اور بڑے بڑے کارخانوں کے قائم کرنے میں اگر مقامی حکومت کو قدرت نہیں ہے تو مرکزی حکومت ان کاموں کو انجام دیگی، اور اس طرح جو منافع ہوں گے، وہ مقامی اور مرکزی حکومت میں تقسیم کئے جائیں گے۔

جہاں تک کل سلطنت کے اخراجات کا تعلق ہے، ہر ضلع کو چاہئے کہ وہ اپنی کل آمدنی میں سے کچھ فیصدی مرکزی خزانہ میں داخل کرے اس رقم کی مقدار کم سے کم دس فیصدی اور زیادہ سے زیادہ پچاس فیصدی ہوگی۔

۴۔ رائے دینے کا سب کو یکساں حق ہوگا۔ دولت کی کمی یا زیادتی کا لحاظ رائے دینے کا معاملہ میں نہیں کیا جائے گا۔ یعنی جس طرح امیروں کو رائے دینے کا حق حاصل ہے، اسی طرح غریبوں کو بھی ہوگا۔

۵۔ بجائے رشوت دینے کے لازمی فوجی تعلیم ہر ایک کے لئے لازمی ہوگی۔ ہر شخص کا فرض ہوگا کہ کم سے کم دو سال تک فوجی خدمت انجام دے۔

۶۔ لگان کی رقم خصوصیت کے ساتھ تعین کی جائیگی۔ اور بعض ایسے محصول جن سے عوام کو نقصان پہنچتا ہے، مثلاً لیکین وغیرہ منسوخ کردئے جائیں گے۔

۷۔ اجتماع میں، اشاعت میں، انجمن قائم کرنے میں، اظہار مافی الضمیر میں عوام کی آزادی قانوناً تسلیم کی جائے گی۔

۸۔ آبادی کی مردم شماری ہوا کرے گی، مزروعہ زمین کا تعین کیا جائے گا، زرعی پیداوار اور سامان رسد کی تخفیف کی جائے گی، تاکہ عوام محتاجی سے محفوظ رہیں۔

۹۔ مزدوری کا نظام جاری کیا جائے گا، مزدوروں کی حالت درست کی جائیگی، ان کی انجمنوں کی حفاظت کی جائے گی، اور انھیں ترقی دی جائے گی۔

۱۰۔ مرد اور عورت کی قانونی، معاشی، تعلیمی اور معاشرتی حیثیت برابر سمجھی جائیگی۔ حقوق کی توسیع کرنے میں عورتوں کی ہمت افزائی کیجائیگی۔

۱۱۔ عام تعلیم کے لئے حتی الامکان پوری کوشش کی جائیگی۔ تعلیمی اخراجات میں اضافہ کیا جائے گا اور اس کے مستقل سرمایہ کا تحفظ کیا جائے گا۔

۱۲۔ زمینوں اور ان کی قیمت کے متعلق قانون جاری کیا جائے گا۔ اس قانون کے ماتحت زمیندار کو خود زمین کی قیمت کا اندازہ لگا کر حکومت کو اطلاع دینا ہوگا تاکہ حکومت اس قیمت کے مطابق زمینوں پر محصول لگائے یا اگر ضرورت ہو تو قیمت خریدی جائے۔

۱۳۔ بڑے بڑے کام (مثلاً ریلوے، جہاز اور ہوائی جہاز وغیرہ کی کمپنیاں جن کے چلانے میں کافی سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ انھیں حکومت انجام دے گی۔

مندرجہ بالا تفصیلات جو کہ چین کے بیرونی اور اندرونی حکمت عملی سے تعلق رکھتی ہیں جمہوریت چین کی معمولی تدبیریں ہیں جن کے ذریعہ سے چین کو غیروں کی ہر قسم کے قیود سے آزاد کرانا اور ملک چین کو بربادی سے بچانا، اور چینی قوم کو تباہی سے محفوظ رکھنا ہے۔

پیام بھائیو! جمہوریت چین کے متعلق جو کچھ مختصر طور پر آپ کو بتانا چاہتا تھا وہ میں نے آپ کو بتا دیا، اب آخر میں آپ سے یہ پوچھتا ہوں کہ ان اصول نظم ونسق اور بیرونی واندرونی حکمت عملی کی بنا پر کیا یہ ممکن ہے کہ جمہوریت چین، چند سال کے اندر ترقی کرلے؟ اس کے باشندے خوشحال ہوجائیں؟ غیر طاقت اس کو اپنا ہمسر اور ہم رتبہ خیال کریں اور چین کے ساتھ مساوات کا برتاؤ کریں؟ اگر اس کے متعلق آپکی کوئی رائے ہو تو بتائیے، اس سے نہ صرف میں آپ کا ممنون ہوں گا، بلکہ میں آپکی اس آواز کو چینی طلبہ کے حلقہ میں بھی پہنچاؤنگا۔

(ختم شد)



اردو ابجد خوانی کے سلسلے میں کچھ عرصہ سے "کہانی کا طریقہ" مروج اور مشہور ہوا ہے۔ لیکن نہ معلوم کیوں عام طور پر اس طریقہ کا نام اس طرح لیا جاتا ہے گویا یہ بذاتِ خود ایک علیحدہ طریقہ ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر اس کی تمام جزئیات پر غور کیا جائے تو تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ طریقہ محض ایک دلچسپ تمہید ہے اُس طریقے کی جسے "طریق الصوت" کہتے ہیں۔

کہانی کے طریقے سے کام کرنے والے اُستاد ایک سال کے عرصہ میں جس قسم کی جد وجہد سے کام لیتے ہیں میں اس کو یہاں پر مختصراً بیان کرتا ہوں جس سے یہ بات خود بخود صاف ہو جائیگی کہ اسے علیحدہ طریقہ تصور کرنا کس حد تک درست ہے۔

ابتدا میں بچے کو ایک خاص کہانی عام فہم زبان میں سنائی جاتی ہے پھر اُسے ایک خاص ترتیب میں بچے کو یاد کرایا جاتا ہے۔ بعد اُس کے ایک یا دو پیراگراف کی جملہ شناسی کرائی جاتی ہے پھر اُس پیراگراف کے لفظ یاد کرائے جاتے ہیں۔ اس کام میں کوئی ڈیڑھ دو مہینے لگ جاتے ہیں (جس میں تقریباً ۳۰-۴۰ لفظ بچہ اچھی طرح پہچاننے لگتا ہے) اس کے بعد حرف شناسی کرائی جاتی ہے۔ حرف شناسی میں طریق الصوت سے کام لیا جاتا ہے۔ رفتہ رفتہ تمام حروف اسی طریقے سے بچے کے ذہن نشین کرائے جاتے ہیں۔ حروف ذہن نشین کراتے ہوئے جس طرح بچوں کو لفظ اور جملے بتائے جاتے ہیں سب میں طریق الصوت سے کام لیا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ تقریباً سال بھر تک جاری رہتا ہے حتیٰ کہ بچہ اردو پڑھنے لگ جاتا ہے۔ اس ایک سال کے عرصہ میں ابتدائی دو مہینے ایسے ہیں جن میں کہانی کی خاص ترتیب سے کام لیا جاتا ہے گویا بچہ کو اردو سکھانے میں "کہانی کا طریقہ" اور طریق الصوت کی نسبت ا اور ۶ کی ہے۔

کہانی کے طریقے میں بچوں کے سامنے جس طرح کہانی پیش کر کے ذہن نشین کرائی جاتی ہے وہ اس قدر دلچسپ اور خوش کن ہے کہ عام مدرسین اسکی غیر معمولی عظمت محسوس کرنے لگتے ہیں۔ وہ بھول جاتے ہیں کہ بچے کو زبان پر حاوی کرنے والی کوئی اور چیز ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ آخر میں وہ اس طریقہ کے مخالف ہو جاتے ہیں۔

جو مدرسین طریق الصوت سے پڑھانے میں مہارت رکھتے ہیں وہ اس طریقہ سے فائدہ اُٹھاتے ہیں۔ کہانی کے طریقہ سے شروع کرنے کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ طریق الصوت کا کافی وسیع مطالعہ کیا جائے۔

جہاں تک میں نے سمجھنے کی کوشش کی ہے "طریق الصوت" اس لیے جلد رائج نہ ہو سکا کہ اس پر عمل کرنے کے لئے کوئی خاص "ترتیب" معین نہیں ہوئی تھی (انجمن ترقی اردو دکن نے ایک ترتیب پیش کی ہے جس کا بعض نقائص کی وجہ سے رواج پانا مشکل ہے) ہمارے مدرسہ تحتانیہ نے چند سال کے تجربے کے بعد کہانی کے طریقہ کو تمہیدی حیثیت قرار دیتے ہوئے طریق الصوت کو ایک خاص ترتیب میں پیش کیا ہے۔ مختلف مقامات پر آزمانے کے بعد صحیح رائے پیش کی جا سکے گی۔

کہانی کے طریقے پر عمل کرنے والے کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ طریق الصوت استعمال نہ کرے لیکن طریق الصوت والے کے لئے یہ ضروری نہیں ہے۔ لہذا کہانی کا طریقہ، طریق الصوت کے مقابلہ میں ثانوی حیثیت رکھتا ہے۔ پھر تعجب ہے کہ اول الذکر نام رائج کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ کیوں نہ ان دونوں طریقوں کو ملاتے ہوئے ایک تیسرے نام یعنی "قدرتی طریقہ" کو رواج دیں۔

بچوں کا کتب خانہ

محنت — ڈراما | [illegible] میں ظاہر کیا گیا ہے [illegible]

اسکول [illegible] — ڈراما | [illegible] کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے [illegible] ہیں۔ ڈراما جامعہ کے بچوں نے کیا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔ قیمت صرف ۴

قوم پرست طالب العلم — ڈراما | بچوں کے لئے لکھا گیا ہے۔ اس میں متحدہ قومیت، حب وطن، ایثار، راستبازی، وفاداری بالآخر کامیابی کے مناظر نہایت ہی اچھے طریقے سے دکھائے گئے ہیں [illegible] پیدا کرنے میں ڈراما یقیناً کامیاب ثابت ہوگا۔ قیمت ۴

بچوں کا انصاف — ڈراما | الف لیلہ کا ایک قصہ ہے۔ بچوں نے خیانت کا مقدمہ اس طرح فیصل کیا کہ خلیفہ ہارون الرشید بھی دنگ رہ گیا۔ یہ بچوں کا ڈراما بچوں ہی کی زبان میں لکھا گیا ہے۔ قیمت صرف ۴

دنیا کے بسنے والے | حبشیوں، امریکہ کے پرانے باشندے، بدوعربوں، افریقہ کے بونوں اور جاپان و سوئٹزرلینڈ کے لوگوں کے حالات درج ہیں جہاں ہزاروں من برف گرتی ہے۔ کتاب میں تو بیاء تصویریں ہیں جن میں سے بعض تو ایسی ہیں کہ انھیں دیکھ کر ہنسی ضبط کرنا محال ہے۔ قیمت صرف ۶

بہار کے پھول | حضرت حفیظ جالندھری کی ان دلآویز نظموں کا مجموعہ جو اخبار پھول میں چھپ کر بے حد پسند کی جا چکی ہیں۔ قیمت آٹھ آنے

ترکوں کی کہانیاں | اس کتاب میں ترک بچوں کی بہادری اور ہمت و جرات کی صحیح اور سچی کہانیاں ہیں [illegible]

پرستان کی [illegible] | [illegible] شہزادی [illegible] کے قابل کہانیاں ہیں۔ قیمت حصہ اول [illegible] دوم [illegible]

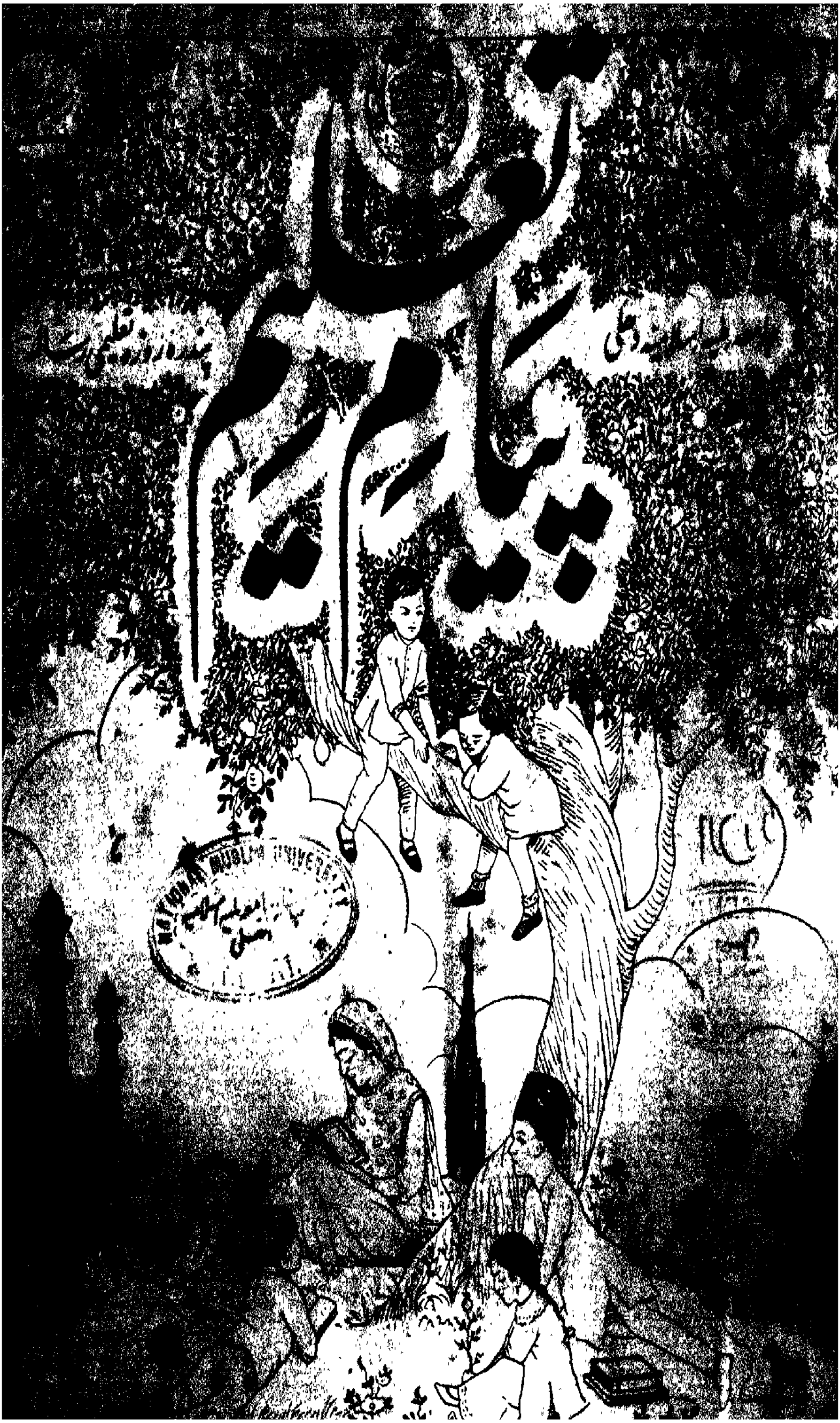
سیاحوں کی کہانیاں | امریکہ اور آسٹریلیا کے دور دراز [illegible] اور قطب شمالی، دریائے نیل کے [illegible] تبت کے پایۂ تخت جیسے خطرناک مقامات پر پہلے پہل انسانی قدم کب اور کس طرح پہنچا اور انسان نے بحر و بر پر عظیم الشان فتوحات کب اور کس طرح حاصل کیں۔ قیمت [illegible]

تاریخ ہند کی کہانیاں | ہزاروں برس پہلے کے ہندوستان کی [illegible] کہانیاں ہیں آسان اور پیاری زبان میں [illegible] کہ کوئی بچہ کتاب شروع کرنے کے بعد بغیر ختم کئے چھوڑ نہیں سکتا۔ قیمت [illegible]

کاری گری | تمام مفید اور اہم صنعتوں کے حالات جیسے قلم، پن، سوئی، صابن، کپڑا بننے کی مشین [illegible] چائے، پتھر کا کوئلہ، بوٹ، گڑ، شکر، چینی، قفل اور چینی کے [illegible] کے حالات بہت دلچسپ انداز میں۔ قیمت ۱۲

بن باسی رستم | جنگل بک کی ایک کہانی کا ترجمہ دہلی کی [illegible] میں جو بہت سے مدرسوں میں [illegible] جاتی ہے۔ قیمت ۶

مکتبہ جامعہ، قرول باغ دہلی


پیام تعلیم

بچوں کے لیے

تاریخ اسلام کا جدید نصاب

تاریخ اسلام کا جدید نصاب علماء اور ماہرین تعلیم کے مشورے سے تیار کیا گیا ہے۔ اس سلسلے کی پہلی کتاب ہمارے نبی قرار دی گئی ہے جو اب تک یوں بھی تقریباً پچاس ہزار فروخت ہو چکی ہے۔ دوسری کتاب اب نبیوں کے قصے قرار دی گئی ہے جس میں تمام انبیاء کے حالات قرآن کریم سے لیکر جمع کیے گئے ہیں۔ ہمارے نبی پڑھنے کے بعد جبکہ نبی کا مفہوم بچوں کی سمجھ میں آ چکا ہوگا۔ سب سے زیادہ ضروری یہ ہے کہ بچوں کو دوسرے انبیاء کے حالات سے بھی واقف کر دیا جائے۔ تیسری کتاب سرکار دوعالم ہے یہ ہمارے نبی سے ذرا زیادہ تفصیلی ہے اور زبان بھی پچھلی دونوں کتابوں سے کچھ مشکل ہے چوتھی کتاب خلفائے اربعہ ہے اور پانچویں نامورانِ اسلام۔ ان دونوں کتابوں کی زبان کو بھی تدریجی طور پر مشکل بنایا ہے اور مطالب میں بھی وسعت دی گئی ہے۔

اس سلسلے میں نامورانِ اسلام خصوصاً ایک ایسی کتاب ہے جس کی عام مسلمانوں کو بھی ضرورت تھی، اس میں تمام بڑے بڑے سلاطین، علماء، حکماء، غرضکہ تمام مشاہیر کے حالات آ گئے ہیں۔ امید ہے کہ یہ سلسلہ طلبہ کے لیے بہت مفید ثابت ہوگا۔

ہمارے نبی (جماعت دوم) ۴ر — نبیوں کے قصے (جماعت سوم) ۶ر — سرکار دوعالم (جماعت چہارم) ۸ر

خلفائے اربعہ (جماعت پنجم) ۱۰ر — نامورانِ اسلام (جماعت ششم) ۱۲ر

پیام تعلیم

قیمت سالانہ عہ/ — قیمت فی پرچہ ۲/

جلد ۱۱ — یکم اپریل ۱۹۳۲ء — نمبر ۱۱

فہرست مضامین

ریاضی کے چند سوالات

بعض وقت ریاضی میں ایسے فرضی سوالات پوچھے جاتے ہیں جن کا اگر صحیح جواب دیکھا جائے تو اسی قسم کا مضحکہ خیز ہوگا جیسا کہ ان چند مثالوں سے ظاہر ہوتا ہے۔



یہ اس مکان کا حال ہے جسکے حوض کا پانی ۱۵۰ گیلن فی منٹ کی رفتار سے ٹپک رہا تھا۔ اس رفتار سے تھوڑی ہی دیر میں پانی کی بہ کثرت سے گھر کھڑکیوں اور چمنیوں سے بہہ نکلا۔



یہ اس شخص کا حال ہے جس نے ایک مکان ۱۵۶۰ روپیہ میں خریدا اور ۲۷۵ روپیہ میں بیچ ڈالا۔ سپاہی ایسے مسرف شخص کو پکڑے لئے جا رہے ہیں۔



یہ اس مزدور کا انجام ہے جو ایک دن میں ۲۵۴۳ اینٹیں بناتا ہے اسکے ہم پیشہ اسے ٹھوکریں مار کر نکال رہے ہیں کہ دوسرے مزدوروں کا کیا حال ہوگا جو اتنی اینٹیں روزانہ نہیں بنا سکتے۔



یہ اس آدمی کا حشر ہے جو ایک گھنٹہ میں ۱۵ ایکڑ زمین جوتتا ہے۔ اس کے گھوڑے اس تیزی سے دوڑ رہے ہیں کہ وہ غریب پیچھے گھسٹتا رہ گیا۔



یہ ان دو گاڑیوں کا انجام ہے جو ہوڑہ اور پٹنہ سے ایک ہی سمت کو روانہ ہوئیں اور بیچ میں آکر ٹکرا گئیں۔



یہ اس پیدل سفر کرنے والے کا حشر ہے جو کولمبو سے لاہور تک ۹ گھنٹے میں پیدل آیا۔ اتنے کم وقت میں اتنے لمبے سفر کا یہ نتیجہ ہوا کہ وہ جان سے مر گیا۔

ایک باپ کا خط اپنے بیٹوں کے نام

علی گڈھ میں مسلمانوں کا ایک بڑا مدرسہ ہے، اس میں رشید احمد صاحب صدیقی اردو کے ایک اُستاد ہیں آپ بہت ہنس مکھ ہیں اور اپنی باتوں سے دوسروں کو خوب ہنساتے ہیں۔ آپکے دو بچے جامعہ کے مدرسہ تحتانیہ میں پڑھتے ہیں یہ خط آپ نے اپنی بچوں کے نام لکھا ہے جس میں سب سے زیادہ تاکید ہنسنے کی ہے امید ہے کہ سب پیام بھائی اسے شوق سے پڑھیں گے، اور ہنس ہنس کھ بنیں گے۔

میرے پیارے اقبال اور احسان

آج ڈاک سے تمہارے خوب اچھے اور لمبے چوڑے خطوط ملے۔ ہم لوگ بہت خوش ہوئے۔ اور ہم سب سے بھی زیادہ خوش سلمیٰ اور عذرا ہوئیں سلمیٰ اور عذرا نے تم لوگوں کے لئے آج کھجور بنائی ہے اور سلمیٰ نے خود آٹا گوندھا تھا اور عذرا نے کھجور چکھیا تھا۔

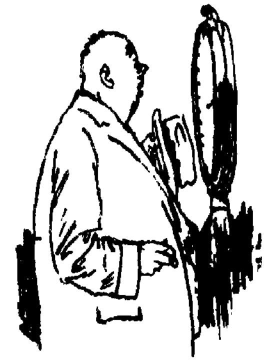
جلیل صاحب نے لکھا ہے کہ وہ تم لوگوں کو اپنے ساتھ ایسٹر کی تعطیل میں لائیں گے۔ تمہارے دونوں بکس بھی بھیجے جاتے ہیں اور تمہارے لئے دو عدد مچھر دانیاں تیار کی جارہی ہیں، ان کو فوراً بھیجوں گا۔ میاں اقبال تمہارے ماسٹر صاحب کا خیال صحیح ہے کہ تم ہنستے کم ہو۔ لیکن احسان خوب ہنستا ہے۔ تم کو خوب ہنسنا چاہیئے ہنسنے سے آدمی خوش رہتا ہے، بدن میں چستی آتی ہے۔ اور جب ہنسنے کی عادت ہو جاتی ہے تب کوئی تکلیف تکلیف نہیں معلوم ہوتی۔ تمہارا کوئی نقصان بھی ہو جائے یا بیمار ہو جاؤ تو بھی تم ہنستے رہوگے۔ اور یہ تو دیکھو اگر تم ہنسو تو تمہارے سب ساتھی تمہارے ساتھ ہنسنے لگیں گے۔ اگر روؤ یا رونے والوں کی صورت بناؤ تو کوئی بھی تمہارے ساتھ نہیں روئے گا۔ اس لئے آدمی کو ہمیشہ ہنسنا چاہیئے تاکہ لوگ اس کو دیکھ کر خوب خوش ہوں اور تمہارے دوست بن جائیں

رونا تو لڑکیوں عورتوں اور مریضوں کا کام ہے۔ مسلمان مرد کبھی نہیں روتا۔ رونے کے معنی یہ ہیں کہ تم ہار گئے اور ہنسنے کے معنی یہ ہیں کہ تم کو کسی تکلیف کی پرواہ نہیں ہے اور تم جیت گئے۔ اب تم خود بتاؤ کہ کیا پسند کروگے؛ رونا یا ہنسنا۔

تمہاری کیاریوں میں خوب پھول کھلے ہیں۔ ان کی بڑی احتیاط کی جاتی ہے اور پانی دیا جاتا ہے تاکہ تم آکر ان کو دیکھو اور خوش ہو۔ سارے پھول ہنستے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ اور ان کو اب تک یہ نہیں معلوم کہ تم نہیں ہنستے۔ ان سب کو امید ہے کہ تم آؤگے تو وہ سب خوب کھل کھلا کر ہنسیں گے۔ اب تم ذرا خبردار رہنا کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ سب تو تم کو دیکھ کر خوش ہوں اور تم ہنسنے کے بجائے رونے والوں کی صورت بنائے رکھو۔

اگر ایسا ہوا تو احسان کی کیاری کے پھول تمہاری کیاری کے پھول سے بازی لے جائیں گے۔ اور تمہاری کیاری والے پھول احسان کی کیاری کے پھول کی پارٹی میں شریک ہو جائیں گے۔ کیونکہ وہ سب یہ خیال کریں گے کہ ہمارے مالک تو روتے ہیں ایسے مالک کی پارٹی میں کیوں نہ ہو جائیں جو ہمیشہ خوش رہتا ہے۔ خود بھی ہنستا ہے اور دوسروں کو بھی ہنساتا ہے۔

دنیا کا سب سے موٹا آدمی



یہ دنیا کا سب سے موٹا آدمی ہے جو امریکہ کا رہنے والا ہے ان کا نام ہیری ہے اور ان کا وزن ۹ من ۳۳ سیر ۸ چھٹانک ہے۔

اس سے پیشتر بھی ایک شخص انگلستان کا رہنے والا تھا جو موٹاپے میں سب سے زیادہ مشہور تھا۔ اس کا وزن ۹ من ۹ سیر ۸ چھٹانک تھا۔ یہ ۱۸۰۹ء میں مر گیا۔

اس کے علاوہ عورتوں میں سب سے موٹی عورت مس اِما ہویل نامی تھی، جو وزن میں ۷ من ۳۵ سیر تھی۔

لیکن یہاں پر دو سوالات پیدا ہوتے ہیں، ایک کہ موٹے آدمی عموماً خوش طبع کیوں ہوتے ہیں؟ وہ خود بھی بہت ہنس مکھ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی ہنساتے رہتے ہیں۔ اس کی وجہ امریکہ کے سائنسدانوں نے یہ بتائی ہے کہ دماغ کے نیچے کی جانب ایک ملائم غدود ہوتا ہے جس میں خون آنے کو آتا ہے لیکن اس سے نکلنے کے لئے کوئی رگ نہیں ہوتی۔ اس خون سے ایک خاص قسم کا مادہ پیدا ہوتا ہے جو سارے جسم میں پھیلتا ہے اس مادہ کی وجہ سے جسم کے اندر جو چربی پیدا ہوتی ہے، وہ خاص انداز میں جمع ہوتی جاتی ہے۔ یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہیری صاحب خواہ کچھ بھی نہ کھائیں لیکن تھوڑا بہت جو کچھ بھی وہ بطور غذا کے استعمال کرتے ہیں، وہ سب کا سب چربی ہی بن جاتا ہے۔

دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ غصہ کی آگ جو انسان کے مزاج میں پیدا ہوتی ہے، وہ موٹے آدمی کے جسم میں ایک اور مادے سے ٹھنڈی پڑ جاتی ہے جو خاص طور پر پیدا ہوتا ہے۔

صفحہ ۵ کا بقیہ

اچھا بیٹے خدا حافظ۔ ہم سب کو بڑی خوشی ہوئی کہ دونوں بھائیوں میں اب لڑائی نہیں ہوتی۔ دیکھو اسی وجہ سے تم دونوں کے کیاریوں کے پھول بھی آپس میں ملے جلے کھڑے ہیں۔ تمہارا کارڈ نہیں ملا۔ اس وقت جلدی ہے [illegible] ملوگے تو باتیں ہونگی۔

ہم سب بڑوں کا تم لوگوں کو بہت بہت پیار۔

خدا حافظ

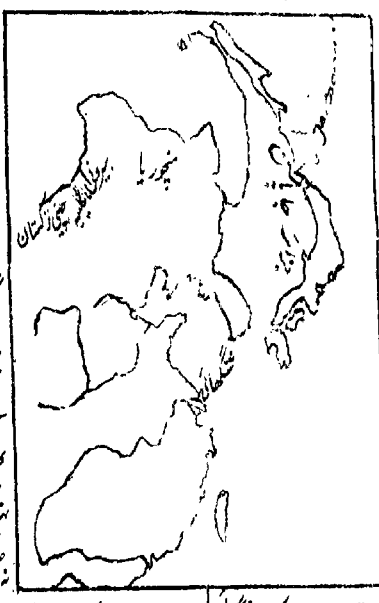
رشید

جنگ چین وجاپان

پیام بھائیو! جنگ کا لفظ سن کر آپ کا خون رگوں میں تیزی سے دوڑنے لگا ہوگا، دل زور زور سے اُچھل رہا ہوگا اور جگر بے اختیار ہو رہا ہوگا۔ اور ساتھ ہی ساتھ آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا ہوگا کہ آجکل چین میں خصوصاً کیانگ وان اور ووسنگ کے علاقہ میں خون کا دریا بہ رہا ہوگا۔ مردوں کے ڈھیر لگے ہوں گے۔ اور لاشوں کا انبار پڑا ہوگا۔ اور آپ چپکے سے اپنے دل سے یہ پوچھتے ہوں گے کہ کتنے غریب جان سے مارے گئے؟ اور کتنے بے گناہ اور معصوم باشندے گولی کا نشانہ بن گئے؟

بھائیو! میں آپ کو کیا بتاؤں بدقسمتی سے میں اب تک ہندوستان میں مقیم ہوں، اور اس ہیبت ناک منظر کا تماشہ نہیں دیکھا جو شنگھائی اور اس کے گرد پیش آ رہا ہے، وہ خوں ریزی، وہ غارتگیری، وہ نوجوں کی لڑائی۔ وہ ہوائی جہازوں کا بم برسانا۔ وہ توپوں کے دھوئیں اور جنگی جہازوں کے شور کی بھرمار، یہ سب تماشے میری آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

میں کیا بتاؤں؟ کبھی یہ سننے میں آیا کہ جاپان کی ہوا اُکھڑ گئی، کبھی یہ خبر پہنچی کہ چینی شکست کھا گئے۔ مگر اصل واقعہ کیا ہے، میں یقین کے ساتھ نہیں بتا سکتا البتہ یہ بتا سکتا ہوں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ اور جاپان اپنی عسکری کارروائی جائز ثابت کرنے کے لئے دنیا کو کیا بتانا چاہتا ہے۔

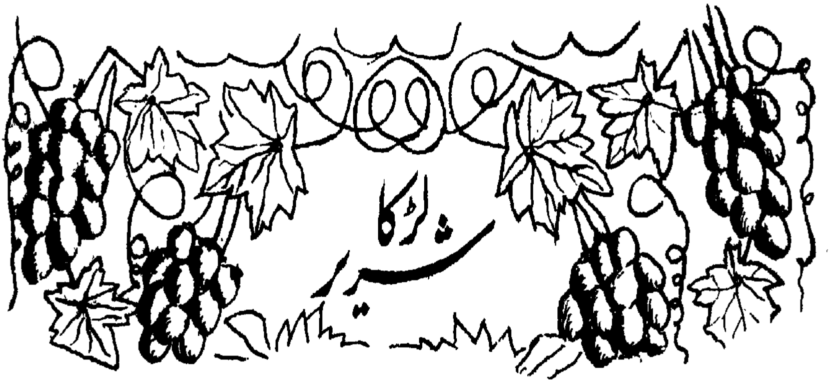


آپ نے سنا ہوگا کہ جنگ کا شعلہ سب سے پہلے منچوریا سے اُٹھا، شنگھائی میں بھڑکا اور تمام وسط چین میں پھیل گیا۔ اس وقت ساحل چین کے بڑے بڑے شہروں میں کوئی جگہ ایسی نہیں ہے جہاں اس لڑائی کی چنگاریاں نہ پھیل گئی ہوں۔ اور کوئی مقام ایسا نہیں ہے جہاں اس جنگ کے شرارے نہ اُٹھ رہے ہوں۔ یہ چنگاریاں اور شرارے دراصل اُسی ملوکیت اور عسکریت کی تمہید ہیں جو جاپانی اور دوسرے ممالک چینیوں کی گردن پر ڈالنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک بہت نازک وقت ہے جس میں اہل چین کو نہ صرف جابر جاپانیوں سے لڑنا ہے، بلکہ اور ممالک سے بھی برسر پیکار ہونا ہے۔ چینیوں کی فنا و بقا اور دیگر مشرقی اقوام کی تجدید و احیاء کا اس پر بڑی حد تک دار و مدار ہے۔ اگر چین کو اس وقت صرف جاپانیوں سے لڑنا ہوتا تو جاپان

راہ کتنا ہی زبردست کیوں نہ ہو، اسکی بالکل پروا نہ تھی۔ اہل چین
اس وقت کمزور ہیں جدید اسلحہ سے خالی ہیں۔ اور بحری اور ہوائی
وت ان کے پاس کم ہے۔ مگر پھر بھی محض کثرت آبادی کے بھروسہ
پر وہ جاپانیوں کی پیش قدمی کو روک سکتے ہیں۔ اس کا ثبوت یہ ہے
کہ انھوں نے کیانگ وان اور ووسنگ کی لڑائیوں میں تقریباً
دو ہفتہ تک جاپان کی زبردست بحری اور ہوائی قوت کو روکے
رکھا اور ان کو آگے بڑھنے نہ دیا۔ آخر کار گرچہ چینی فوج کو پیچھے
ہٹنا پڑا، مگر اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ اس کی ہمت ٹوٹ گئی اور اسے
بالآخر شکست کھانا پڑی، بلکہ اصل بات یہ تھی کہ انگریزی کمانڈر
یلی کی تحریک پر جاپانی اور چینی نمایندوں کے درمیان برطانوی
لک شپ کنڈ پر صلح کی گفتگو ہونے لگی اور ہر دو فریق نے
ک دوسرے سے یہ وعدہ کرلیا کہ گفتگو کے اثنا میں تمام
نگی کارروائی روک دی جائے گی۔ آپ جانتے ہیں کہ چینی وعدہ
کے بڑے پکے ہوتے ہیں اور اس کی خلاف ورزی کرنا خلاف
نسانیت سمجھتے ہیں، مگر واقعہ توقع کے خلاف نکلا یعنی ادھر
لک شپ میں صلح کی گفتگو ہو رہی تھی، ادھر جاپان کی ہوائی
ور بحری فوج نے یکبارگی قلعہ ووسنگ پر حملہ کردیا۔ چینی سپاہی
س وقت آرام کر رہے تھے، وہ غیر مسلح تھے اور جنگ کے لئے
ی طرح تیار نہ تھے۔ باوجود اس کے ایک سخت مقابلہ کے بعد
ہ کو چھوڑا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ جاپانیوں اور انگریزوں کے درمیان
ئی خفیہ سمجھوتہ تھا اور کیلی کا طرفین کے نمایندوں کو بلا کر صلح کرانا
ک بہانہ تھا جس سے صرف چینی فوجوں کو قلعہ ووسنگ سے
انا مقصود تھا۔ مگر ہاں یہ ضرور ہے کہ انگریزوں کی حکمت عملی،
لیت جاپان کی حامی ہے جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ انگریزی جہاز جس

کوئی نہ کوئی زہر ملا اور شعلہ انگیز مقالہ ضرور پائیں گے جس سے
آپ انگریزوں کی حکمت عملی کا پتہ لگا سکتے ہیں۔ آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

وجہ یہ ہے کہ جس طرح جنگ عظیم کے بعد یورپین قوموں نے
سلطنت ترکی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دئے تھے اسی طرح آج چین کے
حصے بخرے کرنے کے درپے ہیں۔ ترکی کے وسیع مقبوضات میں
سے شام اور الجزائر فرانس نے لے لیا۔ انگریزوں نے عراق
اور مصر میں قبضہ کرلیا اور اٹلی طرابلس اور روڈس کی مالک بن گئی۔
اس وقت چین کی حالت بھی بالکل ویسی ہے جیسی ۱۲ سال قبل
ترکی کی تھی۔ ایک طرف جاپان منچوریا اور اندرونی منگولیا پر اپنا
اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے۔ دوسری طرف روس بیرونی منگولیہ
اور چینی ترکستان پر دانت لگائے ہوئے ہے، تیسری طرف فرانس
کا ارادہ ہے کہ کوانگ سی اور یونان کو اپنے قبضہ میں کرلے
چوتھی طرف انگریز تبت اور سی کیانگ کی سیادت کے خواہشمند
ہیں۔ غرضیکہ اس صدی میں مغربی طاقتوں کے سامنے دو مریض
نظر آتے ہیں، ایک تو مشرق ادنیٰ، دوسرا مشرق اقصیٰ۔ مشرق ادنیٰ
سے ان کی مراد ترکی تھی اور مشرق اقصیٰ سے چین۔ انھوں نے
پہلے مریض کو اس کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر تو بیکار کردیا جس سے
اسلام کی شوکت عظمت کو بہت صدمہ پہنچا۔ اس کے بعد اب اس
دوسرے مریض کی باری ہے اور اس کو زیر و زبر کرنے کے لئے دول
یورپ تدبیریں سوچ رہی ہیں۔ اور اس مرتبہ تمام مشرقی اقوام کی بقا
اور حیات اسی چینی قوم کی زندگی سے وابستہ ہے۔



تیسرا منظر

صدر مدرس کا دفتر

(صدر مدرس بیٹھے کام کر رہے ہیں) دروازہ کے باہر سے آواز آتی ہے "میں حاضر ہو جاؤں"

صدر مدرس:۔ کون، طرار، چلے آؤ۔ (طرار داخل ہوتا ہے اور کھڑا رہتا ہے)

طرار:۔ کہو بھئی، اچھے تو ہو۔

صدر:۔ جی ہاں، اچھا ہوں۔

صدر:۔ کل تمہارے والد کا خط آیا تھا تمہیں ملا؟

طرار:۔ جی ہاں۔

صدر مدرس:۔ سب خیریت ہے؟

طرار:۔ اماں کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ لکھا ہے چھٹی سے ایک دن پہلے آجاؤ۔

صدر مدرس:۔ مگر تمہیں تو جانے کی ممانعت ہے اب کیا کروگے؟

طرار:۔ یہ لکھ دوں گا کہ میں نہیں آسکتا۔

صدر:۔ تمہاری ماں کو بڑا قلق ہوگا؟

طرار:۔ جی ہاں۔

صدر:۔ اور عزیزوں کو بھی؟

طرار:۔ جی ہاں چھوٹی بہن بہت روئے گی۔

صدر مدرس:۔ بھلا نہ جانے کا سبب کیا لکھوگے؟

طرار:۔ (خاموش)

صدر مدرس:۔ آخر کوئی سبب تو لکھنا ہی ہوگا۔

طرار:۔ لکھ دوں گا کہ ماسٹر صاحب نہیں آنے دیتے۔

صدر:۔ اور جو وہ پوچھیں کیوں؟

طرار:۔ تو سچا حال لکھ دوں گا۔

صدر:۔ شاباش! مگر پھر سب لوگ تم سے ناراض ہو جائیں گے؟

طرار:۔ جی ہاں جب گھر جاؤں گا تو ابا ماریں گے۔

صدر:۔ اور خفا بھی ہوں گے؟

طرار:۔ جی ہاں؟

صدر:۔ تمہیں ان کی خفگی کا زیادہ رنج ہوگا یا مارنے کا؟

طرار:۔ مارنے کا۔

صدرمدرس:۔ اور جو وہ پیار میں ماریں تب بھی رنج ہوگا؟

طرار:۔ جی نہیں۔

صدر:۔ تو معلوم ہوا رنج اصل میں خفگی کے سبب سے ہوگا۔ ٹھیک ہے نا؟

طرار:۔ جی ہاں ٹھیک ہے۔

صدرمدرس:۔ بھلا تمہیں اپنے ماسٹر صاحب کی خفگی کا بھی رنج ہوتا ہے؟

طرار:۔ جی ہاں۔

صدرمدرس:۔ اور میری خفگی کا؟

طرار:۔ بہت رنج ہوتا ہے۔

صدر:۔ پھر تم ایسی حرکتیں کیوں کرتے ہو کہ تمہارے باپ اور اُستاد خفا ہوں اور تمہاری ماں کا اور بہن کا دل دکھے۔

طرار:۔ (خاموش)

صدرمدرس:۔ میں نے دیکھا ہے کہ تمہاری اکثر شرارتیں اظہار کو دق کرنے کے لئے ہوتی ہیں۔ اس کا کیا سبب ہے؟

طرار:۔ میری ان کی لڑائی ہے۔

صدر:۔ یہ کیوں؟

طرار:۔ جی، وہ مجھ پر ہنسا کرتے ہیں اور ماسٹر صاحب سے میری شکایت کر دیتے ہیں۔

صدر:۔ وہ ہنسی کی بات پر ہنستا ہوگا اور شکایت کی بات پر شکایت کرتا ہوگا۔

طرار:۔ نہیں ماسٹر صاحب، جب مجھے سزا ملتی ہے تو ہنستے ہیں اور ان کی خوشامد کی عادت ہے۔ جو بات ہو جا کر ماسٹر صاحب سے جڑ دیتے ہیں۔ خوشامد خورا کہیں کا۔

صدرمدرس:۔ ہاں خوشامد کرنا اور خواہ مخواہ شکایت کرنا تو بری بات ہے تو تم اسی لئے اسے برا سمجھتے یا ستاتے ہو؟

طرار:۔ جی ہاں۔

صدرمدرس:۔ تم سے صالح سے بڑی دوستی ہے۔ صالح بھی اظہار کو برا سمجھتا ہے؟

طرار:۔ جی ہاں اُسے کون اچھا سمجھے گا۔ رونا ہنسنا، کمزور، مار کھانے کی نشانی۔

صدر:۔ مگر صالح اظہار کو نہیں ستاتا نہ اظہار صالح کی شکایت کرتا ہے۔

طرار:۔ صالح بڑے نیک ہیں کسی کو نہیں ستاتے اور کبھی شرارت نہیں کرتے پھر اظہار کس منہ سے ان کی شکایت کرے۔

صدر:۔ (مسکرا کر) اگر تم بھی بڑے نیک ہوتے کسی کو نہ ستاتے اور کبھی شرارت نہ کرتے پھر اظہار کس منہ سے تمہاری شکایت کرتا اور تمہیں کیوں ضرورت پڑتی کہ اس رونے ہنسنے، کمزور، مار کھانے کی نشانی کو ستاؤ۔

طرار:۔ (خاموش)

صدر:۔ اچھا تمہیں صالح اچھا سمجھتا ہے؟

طرار:۔ جی ہاں وہ میرے دوست جو ہیں۔

صدر:۔ مگر تمہاری شرارتوں پر ہم سب ناراض ہوتے ہیں تو وہ بھی ہوتا ہوگا؟

طرار:۔ جی نہیں، وہ کبھی ناراض نہیں ہوتے ہیں۔

صدر:۔ یہ نیکی ہے مگر جب تم سزا پاتے ہو تو اُسے ضرور صدمہ ہوتا ہوگا۔

طرار: جی ہاں ہوتا ہے۔

صدر: تو تمہیں شرم نہیں آتی کہ ایسے دوست کو جو تمہاری بری حرکتوں پر بھی ناراض نہیں ہوتا صدمہ پہنچاتے ہو۔

طرار: (خاموش)

صدر: اچھا یہ تو بتاؤ تم کونسا کھیل کھیلتے ہو۔

طرار: ہاکی کھیلا کرتا تھا مگر اب نہیں کھیلتا۔

صدر: کیوں؟

طرار: اظہار نے سب لڑکوں کو میرے خلاف کر دیا ہے میرے ساتھ کوئی کھیلتا ہی نہیں۔

صدر: تم تو کہتے ہو اظہار کو لوگ اچھا نہیں سمجھتے پھر اس کے کہنے سے تمہارے خلاف کیسے ہو گئے؟ یہ کہو تمہاری شرارتوں سے گھبراتے ہوں گے۔

طرار: جی ہاں مجھ سے ڈرتے ہیں۔

صدر: تمہارے لہجے سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہیں اس پر فخر ہے۔ دیکھو ایک ڈر تو وہ ہوتا ہے جو ادب اور عزت کے سبب ہو اسے رعب کہتے ہیں۔ جیسے تم ماسٹر صاحب سے ڈرتے ہو اور ایک وہ ہوتا ہے جو صرف تکلیف کے اندیشے سے ہو جیسے آدمی مرکھنے بیل بھوت پریت سے ڈرتا ہے کہ نہیں؟

طرار: جی ہاں۔

صدر: تم سے لڑکے ادب یا عزت کے سبب تو ڈرتے نہیں ظاہر ہے کہ تمہیں مرکھنا بیل یا بھوت پریت کی طرح سمجھتے ہیں۔ اسی لئے تم سے بھاگتے ہیں تمہارے سائے سے پرہیز کرتے ہیں۔

طرار: (خاموش)

صدر: ادھر آؤ میرے قریب بیٹھ جاؤ (طرار جھجکتا ہوا آگے بڑھ کر بیٹھتا ہے)

صدر: دیکھو بیٹا تم مدرسے آنے سے پہلے اپنے گھر رہتے تھے تو تمہاری اماں، ابا، بہن اور سب عزیز تمہیں چاہتے تھے۔ اب تم اپنا گھر چھوڑ کر اس سے بڑے گھر میں آئے ہو۔ یہاں وہ محبت جو عزیزوں کو خود بخود ہوتی ہے تمہیں نہیں مل سکتی۔ مگر پھر بھی انسان انسان ہی ہے وحشی جانور نہیں۔ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے اور ساتھ رہنے سہنے سے یہ راہ اور کھل جاتی ہے محبت اور خدمت سے غیر اپنے ہو جاتے ہیں۔ تم اپنے ساتھ کے لڑکوں کو ستانے کی جگہ ان سے اچھا سلوک کرو گے تو وہ بھی عزیزوں کی طرح ہو جائیں گے۔ اسی طرح دنیا ایک بہت بڑا گھر ہے۔ جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو تمہیں بہت سے لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔ ان کی سچے دل سے خدمت کرو گے تو ان کے دل میں بھی گھر کرو گے۔ سب ہی تم کو اپنا سمجھیں گے اور تم سب کو اپنا سمجھو گے۔ سب کا مالک، سب کا خالق اللہ تم سے خوش ہوگا۔ یہی چیز دنیا میں سب سے بڑھ کر ہے۔ اسی کے لئے انسان سب کچھ کرتا ہے۔ اچھا بتاؤ اگر سارے انسان ایک دوسرے سے ایسی ہی محبت کرنے لگیں جیسی ماں بیٹے بھائی بہن میں ہوتی ہے تو تم کو خوشی ہوگی۔

طرار: جی ہاں بڑی خوشی ہوگی۔

صدر: تو پھر اس کے لئے اپنی سی کوشش کرنا چاہیے۔ کم سے کم انسان اپنا رشتہ تو سب سے جوڑے اور خدا نے جتنی قابلیت دی ہو اس سے اپنے بھائیوں کی خدمت میں کام لے۔ تم میں جو یہ شرارت کا مادہ ہے اگر غور کرو تو اس کی جڑ طبیعت کی جولانی جرأت اور جوش ہے اور یہ سب بڑے کام کی چیزیں ہیں بشرطیکہ ان کا استعمال اچھے مقصد کے لئے اور صحیح طریقے سے ہو۔ اگر تم ان کے ذریعہ سے اپنے مکتب کے بھائیوں کی خدمت کرو

دنیائے سائنس کے روشن ستارے



سر ہمفری ڈیوی

۲

لندن کے ایک ماہر سائنس نے جب اس کی شہرت سُنی تو اس نے نوجوان ڈیوی کو لندن کی مشہور درس گاہ رائل انسٹی ٹیوشن میں بطور کیمیا کے مددگار پروفیسر کے رکھ لیا۔

یہاں ڈیوی کے ذمہ کم کام تھے۔ لہٰذا اس کو تحقیقات جاری رکھنے کے لئے کافی فرصت مل گئی۔ ڈیوی کی حیرت انگیز تحقیقات اور انکشافات نے اس کی درس گاہ کی عظمت تمام یورپ میں قائم کردی۔ اس کے لیکچر سننے کے لئے لندن کے تمام اہل علم اور امیر کبیر جمع ہوتے۔ اس کی جادو بیانی کا خاکہ ہم ابتدا میں پیش کر چکے ہیں مزید ثبوت کے لئے لندن کے مشہور شاعر سودے کا ایک قول نقل کر دینا کافی ہوگا۔ وہ کہتا تھا کہ ڈیوی کے لیکچروں میں میں اس وجہ سے شریک ہوتا ہوں کہ میری تشبیہات اور محاوروں کے ذخیرے میں اضافہ ہو۔

چند ہی سال کی محنت کے بعد ڈیوی سائنس کی سب سے بڑی مجلس رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب ہوگیا۔ عملی سائنس میں اس کو اس قدر شوق ہو چکی تھی کہ کوئی ہفتہ ایسا نہ گزرتا جس میں ڈیوی کوئی نئی چیز ایجاد یا دریافت نہ کرتا۔ ان میں سے ہم صرف چند ایک کی تفصیل قلمبند کرتے ہیں جنکی وجہ سے اس کا نام ہمیشہ کے لئے یادگار رہے گا۔

رائل انسٹی ٹیوشن میں ایک طاقتور برقی مورچہ بیٹری تھی ڈیوی کے مشاہدے سے یہ بات کئی مرتبہ گذری تھی کہ مورچہ کے دونوں تاروں کو ایک دوسرے سے مس کر کے علیحدہ کیا جائے تو روشنی کا ایک شرارہ پیدا ہوتا ہے۔ لیکن ایک روز اس نے دونوں تاروں کو آپس میں ملا کر اس انداز سے علیحدہ کر دیا کہ دونوں کے سروں کے درمیان تھوڑی سی خالی جگہ رہے جب تک وہ دونوں تاروں کو ایک دوسرے سے کچھ فاصلہ پر رکھاۓ رہا برق کے چھوٹے چھوٹے روشن شرارے تار کے ایک سرے سے دوسرے تک کودتے رہے۔ علاوہ اس کے اس نے یہ بھی دیکھا کہ تاروں کے سرے بہت گرم ہوگئے ہیں۔ ڈیوی کو اس تجربہ سے بہت خوشی حاصل ہوئی۔ مزید معلومات کے لئے جب اس نے تاروں کے سروں پر کوئلہ کے قلم باندھ کر اس تجربہ کو دوبارہ کیا تو ایک نہایت تیز روشنی نمودار ہوئی اور کوئلہ کے ٹکڑوں کے سرے بہت ہی زیادہ گرم ہوگئے۔

برق کے متعلق بہت سی تحقیقات ہو چکی تھیں لیکن یہ پہلی مرتبہ دریافت ہوا کہ برقی قوت سے روشنی بھی پیدا کی جا سکتی ہے

ڈیوی کے اس انکشاف نے بیسویں صدی کے سامان راحت میں بہت بڑا اضافہ کردیا۔

ڈیوی نے برقی قوت سے متعلق مزید تحقیق کرکے برق کے استعمال کو کیمیائی تحقیقات میں رواج دیا۔ یہی اس کا سب سے بڑا کارنامہ ہے۔ اس سے قبل بعض محققین نے یہ تو معلوم کرلیا تھا کہ پانی میں اگر برقی روگذاری جائے تو دو قسم کی گیسیں ہائیڈروجن اور آکسیجن پیدا ہوتی ہیں لیکن کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ یہ گیسیں کہاں سے پیدا ہوتی ہیں یا برقی مورچہ یا پانی سے ڈیوی نے نہایت ہی احتیاط کے ساتھ اس



تجربہ کو مکمل کرکے اس معمے کا حل یوں پیش کیا کہ دونوں گیس پانی کا جز ہیں جب پانی سے برقی رو گذاری جاتی ہے تو رو کے عمل سے پانی کے دونوں جز علیحدہ ہوجاتے ہیں۔ سائنس کی اصطلاح میں اس عمل کو "برق پاشیدگی" کہتے ہیں۔

یہ دونوں عمل بظاہر تو معمولی معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اس کے استعمال سے آج ہم بیشمار فائدے حاصل کررہے ہیں تمام قسم کی ملمع کاری، برقی ٹائپ، سونے چاندی اور تانبے کو کان سے نکالنے کے بعد خالص حالت میں حاصل کرنا اور مفرد چیزوں کو ان کے مرکبات سے علیحدہ کرنے کی خدمات اس معمولی عمل سے لی جارہی ہیں۔

لیکن ڈیوی کے مندرجہ بالا تجربہ کا دائرۂ عمل صرف پانی تک ہی محدود نہیں رہا۔ اس نے اب اسکے اثرات کی جانچ دوسرے مرکبات پر بھی کرنا شروع کردیا۔ کاسٹک سوڈا اور کاسٹک پوٹاس ایک عرصہ سے اسکی توجہ کے مرکز بنے ہوئے تھے۔ چنانچہ سب سے پہلے اس نے کاسٹک پوٹاس میں برقی روگذاری چند لمحوں میں کیا دیکھتا ہے کہ اس کی سطح پر نہایت ہی سفید اور چمکدار ذرات نمودار ہورہے ہیں اور بعض ان میں سے ہوا سے مل کر چٹاخ پٹاخ کی آواز پیدا کررہے ہیں اب تو اسکی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی وہ اپنے جذبات سے اس درجہ مغلوب ہوگیا کہ تمام کمرہ میں ناچتا پھرا۔

ڈیوی کی پہلی ہی تحقیقات نے اس کے نام کو کافی روشن کردیا تھا لیکن اس انکشاف سے تو تمام یورپ جگمگا اُٹھا۔ فرانس کے بادشاہ نپولین نے پیرس کی علمی مجلس کی طرف سے سونے کا تمغہ پیش کیا۔ کئی یونیورسٹیوں نے اس کو اعزازی ڈگریوں سے سرفراز کیا۔ حکومت کی طرف سے اس کو سر کا خطاب دیا گیا۔ یہ خطاب ڈیوی کے لئے فال نیک ثابت ہوا اس لئے کہ دوسرے ہی روز ایک دولت مند بیوہ سے اس کی شادی ہوئی۔

اب ڈیوی نے تمام یورپ کی سیاحت کا ارادہ کیا۔ دوران سیاحت میں وہ جس شہر میں گیا اپنی شہرت کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔ مختلف علمی مجلسوں میں اپنے انکشافات کو اپنے سفری معمل کے ذریعہ دکھا کر دو سال کے بعد انگلستان واپس پہنچ گیا۔

بچپن میں جب ڈیوی کوئلہ کی کانوں کے حادثے کے حالات سنتا تو اس کے دل پر بہت اثر ہوتا۔ چنانچہ اسی زمانہ میں اس نے عہد کیا کہ بڑا ہو کر میں کسی نہ کسی طرح غریب مزدوروں کو تحت الثریٰ کی اس بلائے ناگہانی سے ضرور نجات دلاؤں گا۔

یورپ کی سیاحت کے بعد جب وہ اسکاٹ لینڈ کا دورہ کررہا تھا تو کوئلہ کی بعض کانوں کے پھٹ پڑنے سے سخت حادثے ہوئے جن سے تمام ملک دہل گیا۔ کانوں میں یہ ہولناک دھماکے اس

طرح واقع ہوتے تھے کہ کانوں کے اندر کی آتش گیر گیس جب لالٹینوں کے شعلوں تک پہنچتی تھی تو اس میں آگ لگ جاتی اور اس سے دھماکے پیدا ہوتے تھے۔

اسکاٹ لینڈ کی کانوں کے مالکوں نے ڈیوی سے درخواست کی کہ وہ ان حادثات کے دفع کرنے کی کوئی تدبیر بتائے۔ ڈیوی نے کوئلہ کی ایک کان میں پہنچ کر تھوڑی سی آتش گیر گیس بطور نمونہ لی۔ دو ہفتے تک وہ اس کے خواص کی جانچ پڑتال میں لگا رہا۔ بالآخر اس نے ایک محفوظ قسم کی لالٹین ایجاد کی جو اسی کے نام سے مشہور ہے اس کے چاروں طرف دھات کی جالی لگی ہوتی ہے دھات کی اس جالی نے شعلے کو کیسے محفوظ کر دیا؟ ڈیوی کی محفوظ لالٹین کس اصول کے ماتحت کام کرتی ہے؟ اس کا جواب ذیل کی سطور سے واضح ہو جائے گا۔

تقریباً تمام دھاتوں میں ایک خاصیت پائی جاتی ہے کہ وہ حرارت کو بہت جلد جذب کر لیتی ہیں اور اس جذب کردہ حرارت کو بہت جلد کھو بھی دیتی ہیں۔ دھات کی کسی چیز مثلاً سلاخ کے ایک سرے کو آگ میں رکھا جائے تو اس کا دوسرا سرا بھی بہت جلد گرم ہو جاتا ہے اس لئے کہ حرارت اس کے ذروں سے گذرتی ہوئی دوسرے سرے تک پہنچ جاتی ہے۔ اس قسم کی چیزیں جن میں سے حرارت منتقل ہو سکے، سائنس کی اصطلاح میں موصل کہلاتی ہیں۔ ڈیوی کے دھات کی جالی لگانے کا مقصد بھی یہی تھا کہ اس کے ذریعہ لالٹین کی اندرونی حرارت جلد جلد باہر کی فضا میں منتقل ہوتی رہے۔

چنانچہ آتش گیر گیس جب ہوا کے ساتھ لالٹین میں پہنچ کر جلتی ہے تو اس کا شعلہ جالی کے باہر نمودار نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کے جلنے سے جتنی حرارت لالٹین میں پیدا ہوتی ہے، موصل جالی اس کو باہر کی فضا میں منتقل کر دیتی ہے۔

ڈیوی کی اس ایجاد سے ہزاروں جانیں بچ گئیں اس کے ایک دوست نے جب اس ایجاد کو پیٹنٹ کرانے کا یعنی اپنے نام محفوظ کرانے کا مشورہ دیا تو فراخ دل ڈیوی نے جواب دیا "نہیں میرے اچھے دوست! اس قسم کا خیال بھی کبھی میرے دماغ میں نہیں آیا میرا مقصد صرف خدمت خلق تھا۔ اور اب جب کہ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا ہوں تو یہ کامیابی میرے لئے کافی صلہ ہے۔"

کوائف جامعہ

۲۴ر مارچ ۱۹۳۲ء کو وقفہ کے بعد سے مدرسہ تحتانیہ میں بچوں کے تعلیمی کھیل تھے جن میں بعض بہت مفید اور دلچسپ مقابلے ہوئے، مثلاً خاموشی سے پڑھ کر عمل کرنا۔ جس لڑکے کو لکھنوی سلام کی تختی ملی تھی اس کے اس فعل پر تمام مجمع ہنس پڑا یا جس لڑکے کے نام پر "غصہ کرنے" کی تختی آئی تھی اس کے اکڑنے اور بھڑنے پر تمام حاضرین نہایت محظوظ ہوئے۔ سب سے اخیر میں تصویریں بنانے کا مقابلہ تھا جو شاید سب سے بہتر کھیل تھا، چند چیزوں کے نام تختہ سیاہ پر لگا دئے گئے تھے مثلاً گاجر، مولی، شلجم وغیرہ ـــــ اور پھر یہ کہہ دیا گیا تھا کہ ان سے ایک طوطے کی تصویر بناؤ۔ عبدالعزیز پشاوری متعلم ابتدائی چہارم کی تصویر سب سے اچھی ثابت ہوئی۔ بعض کھیلوں کے نام حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ خاموشی سے پڑھ کر عمل کرنا۔ ۲۔ ہاتھ سے ٹٹول کر پڑھنا۔ ۳۔ ہندسوں کی دوڑ ۴۔ پرندوں اور سبزیوں کے نام لکھنا۔ ۵۔ انگریزی کے چار حرفی الفاظ ڈھونڈھنا۔ ۶۔ تیزی سے پڑھنا۔

قرول باغ میں بھی چونکہ دفعہ ۱۴۴ کا نفاذ ہوگیا ہے جس کی رو سے کسی قسم کا عام جلسہ بغیر اجازت سپرنٹنڈنٹ پولیس نہیں ہوسکتا اس لئے ناظم صاحب نے ادارہ کا دمی کا وہ جلسہ جو ۱۹ر مارچ کو ہونیوالا تھا، ایک غیر متعین مدت کے لئے ملتوی کر دیا ہے۔

(صفحہ نمبر ۱۱ کا بقیہ)

تو تمہارا دل بھی خوش ہوا اور وہ بھی نہیں دل سے چاہنے لگیں۔ تم کھیل میں لڑکوں سے لڑتے ہو۔ لڑکے تمہیں ساتھ نہیں کھلاتے اگر تم اپنی تیزی اور جرأت سے یہ کام لیتے کہ اپنی ٹیم کے جیتنے کے لئے جان لڑا دیتے تو سب تمہیں آنکھوں پر بٹھاتے تمہیں یاد ہے کہ جب جیجک کا ٹیکہ تم نے سب سے پہلے خوشی خوشی لیا تھا تو تمہاری کتنی تعریف ہوئی تھی؟

طرار:۔ جی ہاں، پارسال اکتوبر میں۔

صدر:۔ اور جب تم نے باؤلے کتے کو مار کر نکالا تھا تو لڑکے تم سے کتنے خوش تھے۔

طرار:۔ (جلدی جلدی سر ہلاتا ہے)

صدر:۔ یہ ایسے کام تھے جس میں تم نے اپنی ہمت اور جرأت کا مفید استعمال کیا، مگر کل رات اور آج صبح تم نے انھیں چیزوں کو ایسی بری طرح برتا کہ لڑکے تم سے الگ نالاں ہیں، ماسٹر صاحب الگ خفا ہیں تمہارا گھر جانا بند ہوگیا تمہارے ماں باپ اور بہن کو بڑا قلق ہوگا۔ اگر تمہارا یہی حال رہا تو ممکن ہے تم ایک خوفناک مجرم بن جاؤ تم سے لوگوں کے جان اور مال کو نقصان پہنچے اور وہ تمہیں سچ مچ کے قید خانہ میں جکڑ کر رکھیں۔ لیکن اگر تم نے اپنے جوش اور دلاوری سے لوگوں کی خدمت کا کام لیا تو شاید تم ایک دن جہاز کے ناخدا بن کر طوفان سے لڑو، یا سیاحی کی مہم میں پُر ہول جنگلوں اور خطرناک پہاڑوں کی سیر کرو یا اپنے وطن کی حمایت کا بیڑا اٹھا کر آزادی کا جھنڈا لہراؤ۔ طرار، مجھے تم سے بڑی امیدیں ہیں۔ تم ذرا سنبھل جاؤ تو ایسے ایسے کام کروگے جو کسی سے نہ ہوں گے۔ اچھا، اب تم جاؤ میں ماسٹر صاحب سے سفارش کروں گا کہ ان کی والدہ کی طبیعت اچھی نہیں اگر دس دن تک سلامت روی کے ساتھ رہیں تو انھیں چار دن کے لئے گھر جانے کی چھٹی دیدی جائے۔ (پردہ گرتا ہے)

مدرسہ تحتانیہ جامعہ کے بچوں کا سال بھر کا پروگرام

۱۔ جلسہ میلاد النبی اگست کا آخری ہفتہ۔ رات میں ۹ ½ بجے
بچے آں حضرت کی سیرۃ پاک پر
مضامین اور نظمیں پڑھیں گے۔

بچوں کا مشاعرہ اور بیت بازی ستمبر کا آخری ہفتہ، رات میں ۸ ½ بجے۔
طلبہ بچوں کے رسالوں سے نظموں کا انتخاب کر کے سنائیں گے اپنی لکھی ہوئی نظمیں
پڑھیں گے۔ بیت بازی کا انعامی مقابلہ ہوگا۔

۳۔ مدرسہ کا سالانہ جلسہ اکتوبر کا آخری ہفتہ، رات میں ۸ ½ بجے۔
طلبہ مدرسہ، باغیچہ، بنک، دکان وغیرہ سے متعلق رپورٹ سنائیں گے۔ اس سلسلہ میں
مختلف پروجکٹ کی روئداد بھی شامل ہوگی

۴۔ جلسہ مباحثہ اور مضامین سنانا نومبر کا آخری ہفتہ، رات میں ۸ ½ بجے
طلبہ دلچسپ مضمون پر بحث کریں گے۔ اپنے لکھے ہوئے مضامین سنائیں گے۔
(دسمبر آخری ہفتہ امتحانات اور چھٹی ہوگی)

۵۔ دہلی کے مدارس تحتانیہ کا تقریر و تحریر میں مقابلہ جنوری کا آخری ہفتہ، سہ پہر میں ۴ ½ بجے
دہلی کے مختلف مدارس تحتانیہ جس میں چھٹی جماعت تک کے
طلبہ شامل ہوں گے، تقریر و تحریر میں مقابلہ ہوگا۔

۶۔ ڈراما۔ فروری کا آخری ہفتہ، رات میں ۸ ½ بجے۔

تعلیمی کھیل کود کا جلسہ۔ مارچ کا آخری ہفتہ، سہ پہر میں ۴ ½ بجے۔
درسی کتب اور ذہانت کی ترقی میں مدد دینے والے تعلیمی کھیل کود کرائے جائیں گے۔

ورزشی کھیل اپریل کا آخری ہفتہ، سہ پہر میں ۴ ½ بجے۔

پروجکٹ کیا ہے؟

پروجکٹ طریقے سے مراد بچوں کا مفید ارادے کرنا اور ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔ اس میں بچے بہت سے مقاصد میں سے ایک مشترکہ مقصد مناسب وقت کے لیے منتخب کر لیتے ہیں اور اسے پورا کرنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ اس کوشش میں انھیں مختلف مضامین میں کام کرنا پڑتا ہے۔ مقصد کا انتخاب کر کے کس طرح مختلف مضامین کا کام کیا جاتا ہے؟

یہ اگر آپ معلوم کرنا چاہیں تو مندرجہ ذیل دو کتابیں پڑھیے۔

باغبانی پروجکٹ میلاد النبی پروجکٹ

مندرجہ بالا دونوں کتابوں میں بہت سی تصاویر بھی دی گئی ہیں۔

یہ اور بہت سی اچھی اچھی کتابیں ملنے کا پتہ

مکتبہ جامعہ۔ قرولباغ دہلی